www.urducouncil.nic.in

جنوری 2022 ، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

نئے سال
کا
نیا سورج
نئی صبح
اور
نئے خواب مبارک!

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہوپاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس وٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد وشمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

بچوں کی دنیا

جلد: 10 شمارہ: 01 جنوری 2022

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم: شاہنواز محمد خرم

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون:040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
چنار اور کشمیر کی کانگڑی	نور شاہ	06
جیمس واٹ	محمد خلیل	10
جنوری میں منائے جانے والے اہم دن	انصار احمد معروفی	12
یورپ کا دل: لندن	محمد زاہد	16
کہیں کھو رہا ہے نونہالوں کا معصوم بچپن	وسیم سعید	19
والدین کا ترغیبی عمل اور بچے	محمد اکرام	22
	نظمیں	
نام ہے کیا؟	حیدر بیابانی	26
آئی سردی	راشد جمال فاروقی	27
اپنا رستہ اپنی منزل	خلیق الزماں نصرت	28
موسم سرما آیا ہے	مناظر حسن شاہین	29
پانی	خواجہ کوثر حیات	30
کیا اچھا ہے کیا بہتر	شارق اعجاز عباسی	31
میں ہندوستان ہوں	صبا منیر	31
غریب دوست	شمیم اختر	32
سائنسی آلات	ساحر داؤد نگری	33
نظمیں	اے آر جاوید	34
	طنز و مزاح	
مٹھائیوں کی محفل	اسد رضا	35
	کہانیاں	
کفایت شعاری	سراج فاروقی	37
نوک جھونک	عنبر حامد	39
صحت مند پھلوں کا میلہ	حسین قریشی	41
ڈرنا منع ہے	شفق اسعد	45
	ترجمہ	
کچن پر حملہ (انگریزی کہانی)	وکاس پرکاش جوشی، مترجم: خان حسنین عاقب	48
	بچوں کا کتب خانہ	
بچوں کا سنسار	پرویز احمد یعقوبی	51
	سائنس نامہ	
الادریسی / اصمعی	مترجم: رضوان لطیف خان	53
	صحت	
میعادی بخار (ٹائی فائڈ)	حسین فاروقی	55
	زبان شناسی	
تذکیر و تانیث	حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی	59
	کہکشاں	
چمن چمن کے پھول		61
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		62

پیارے بچو! ہم سب کے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ ہمیں نئے سال کے استقبال کا موقع مل رہا ہے۔اس لیے ہمیں نئے سال کے ایک ایک لمحے کو قیمتی بنانے کے لیے بہت کچھ سوچنا ہوگا تا کہ ہمارا مستقبل روشن ہو اور ہمارے لیے ترقی کی راہیں ہموار ہو جائیں۔اس تعلق سے سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ نئے سال میں ہمیں کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟

بچو! آپ کے لیے سب سے بنیادی چیز تعلیم ہے کیونکہ آپ کی جو عمر ہے وہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی ہے۔ تعلیم پر اپنا سارا زور صرف کر کے مہذب، باشعور اور کامیاب انسان بن سکتے ہیں۔تعلیم کے ساتھ تربیت پر بھی توجہ دینی ہوگی کیونکہ تربیت کے بغیر تعلیم کے مکمل فائدے حاصل نہیں ہو سکتے۔ بنیادی اور نصابی تعلیم کے علاوہ اپنی تہذیب اور اپنی زبان سیکھنے کی طرف بھی دھیان دینا ضروری ہے۔

جو بچے ابھی کم عمر ہیں اور وہ اپنے لیے کوئی منصوبہ تیار نہیں کر سکتے، ان کے والدین کو اس سلسلے میں اپنی ذمے داریوں کے ساتھ بچوں کے کیریئر کے تعلق سے کوئی مضبوط حکمت عملی تیار کرنی چاہیے۔جن بچوں کے والدین پڑھے لکھے ہیں، بچوں کے مستقبل کے بارے میں ان کے ذہن میں کچھ منصوبے ہیں تو وہ خود اپنے بچوں کے لیے پورے سال کا پلان تیار کریں۔ اگر وہ اتنی قابلیت نہیں رکھتے تو تعلیم یافتہ اور تجربہ کار لوگوں سے اس سلسلے میں رہنمائی حاصل کریں۔ بچوں کے لیے منصوبہ بندی کرتے وقت والدین اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ ان کے بچوں کی دلچسپی کن چیزوں میں ہے اور ان کے اندر کیا کیا صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔

نئے سال میں بیتے ہوئے سال کا محاسبہ بھی ضروری ہے کہ سالِ گزشتہ کیا کھویا اور کیا پایا؟ کیا سیکھا اور کیا نہیں سیکھا۔ جو بچے اپنے گزرے ہوئے وقت کا حساب رکھتے ہیں، وہ اپنی غلطیوں کو ڈھونڈ کر ان کی اصلاح کر لیتے ہیں، لیکن جو بچے اپنی کوتاہیوں پر توجہ نہیں دیتے اور بس ایسے ہی وقت گزارتے چلے جاتے ہیں وہ ایک ہی طرح کی غلطیاں بار بار دوہراتے رہتے ہیں۔ والدین یا سرپرستوں کو بھی اپنے بچوں کی سالانہ کارگزاری پر ضرور نظر رکھنی چاہیے اور جہاں کمی ہو رہی ہو، اس کی نشاندہی کر کے اسے دور کرنے کی طرف بچوں کو متوجہ کرنا چاہیے اور اگر بچوں کی طرف سے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ ہو تو ان کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے۔ دعا ہے کہ نیا سال ہم سب کے لیے خوشی، راحت اور امن و سکون کا سال ثابت ہو۔

آپ کا

عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

نومبر کا شمارہ 'بچوں کی دنیا' دستیاب ہوا۔ ایک ہی نشست میں اول تا آخر پڑھ لیا۔ میری کہانی میری اپنی زبانی بعنوان 'بچپن کا شوق اور خوشحالی' کی شمولیت سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ اس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ اچھا سلسلہ ہے۔ ہر ماہ کسی نہ کسی ادیب و شاعر کے بچپن کی کہانی کو شامل اشاعت کر کے نونہالوں کو ان کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ترغیب ملے گی۔ 'بچوں کی دنیا' میں یوم اطفال کی مناسبت سے آپ کا لکھا اداریہ بھی بے حد پسند آیا۔ شمارے میں شامل دیگر تخلیقات بھی قابل تعریف و قابل ذکر ہیں۔ ڈاک خانے میں دلچسپ خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔ پروفیسر صادق صاحب کا مضمون 'داتا گنج بخش' دلچسپ ہے۔ سلمہ یوسف حسین کی کہانی 'جیک پو کی محنت رنگ لائی' بھی متاثر کرتی ہے۔ ذکی ممتاز کا 'اسمارٹ فون' بھی لاجواب ہے۔ ندیم راعی صاحب کی 'ہماری شرارتیں' پڑھ کر محظوظ ہوا۔ ہما محفوظ کا مضمون 'بین الاقوامی یوم تحمل و بردباری' میری اس عمر میں بھی معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ حلیمہ فردوس صاحبہ کی کہانی 'گھڑی' دلچسپ ہے۔ عاکف صاحب کی کہانی 'تاج کا ہیرا' واقعی شمارے کا ہیرا ہے۔ جہانگیر اُنس کی کہانی 'عقلمند اندھا' دلچسپ ہے۔ سعدیہ پروین کی کہانی 'خرگوش اور چور'، متین الدین کی کہانی 'صحبت کا اثر'، فیاض احمد کی کہانی 'بٹو اور مینو'، اسلم تنویر کی کہانی 'سی سی ٹی وی کیمرہ'، گوہر رفیع شاد کی کہانی 'محنت' بھی دلچسپ ہیں۔ رفیع الدین ناصر کا مضمون 'میں خلیہ ہوں' معلوماتی اور سائنسی مضمون کافی دلچسپ ہے۔ حقانی القاسمی صاحب نے نقی احمد ندوی صاحب کی تصنیف 'نشانِ راہ پر' بھرپور تبصرہ پیش کیا ہے۔ زبان شناسی، سیاحتی مقامات، بند گوبھی کے طبی فائدے شاندار اور معلوماتی مضامین ہیں۔ چمن چمن کے پھول پر بہار اچھی لگی۔ حسیب عالم کی کہانی 'انتظار ہے اسکول کھلنے کا' آخر میں گدگدا گئی۔ صفحہ 62 پر بچوں کی بنائی ڈرائنگ بھی پسند آئی۔ شعری حصہ بھی دلچسپ ہے۔ عبدالرحیم نشتر، کوثر صدیقی، عطیہ پروین، فیض رتلامی، متین اچلپوری، خورشید جمال کی نظمیں بھی قابل ذکر ہیں۔ کل ملا کر نومبر کا شمارہ بھی روایت کے مطابق دلچسپ اور شاندار ہے۔ تمام قلمکاروں کو دل سے مبارکباد! شاندار شمارہ شائع کرنے کے لیے آپ بھی مبارکبادی کے مستحق ہیں۔

رونق جمال، 'کائنات' نیو آدرش نگر، درگ، چھتیس گڑھ۔ 491001

عرض ہے کہ آنجناب کی زیر نگرانی کونسل جس طرح اردو زبان و ادب کی خدمت اور اردو قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کا فریضہ ادا کر رہی ہے وہ قابل ستائش بھی ہے اور لائق صد تحسین و مبارکباد بھی۔ میری ایک تجویز یہ ہے کہ 'بچوں کی دنیا' کے ننھے قارئین کو اردو کے قلمکاروں (ادب اطفال کے تعلق سے) متعارف کرایا جائے۔ امید ہے آنجناب اس کی افادیت کو سمجھتے ہوئے میری اس درخواست پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے اور احقر کو عملی جامہ پہنانے کا موقع عطا کریں گے۔

ڈاکٹر رضا الرحمٰن عاکف سنبھلی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو ایم جی ایم (پی جی) کالج، سنبھل

چنار اور کشمیری کانگڑی

نور شاہ

نور شاہ کا تعلق کشمیر سے ہے۔ وہ وہاں کے نامور افسانہ نگار ہیں۔ وہ کشمیر میں کئی اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ ریاستی محکمہ زراعت و دیہی ترقی میں بہ حیثیت ڈپٹی کمشنر اور پھر ڈائرکٹر محکمہ دیہی ترقی اور اس کے بعد چیف ایگزیکیوٹو آفیسر جے این کے انرجی ڈیولپمنٹ ایجنسی خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے بارہ افسانوی مجموعے بے گھاٹ کی ناو، ویرانے کے پھول، من کا آنگن اداس اداس، ایک رات کی ملکہ، گیلے پتھروں کی مہک، بے ثمر آنچ، ہوا اور پھول، دو ناول اور تین ناولٹ شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی ایک اہم کتاب 'جموں و کشمیر کے اردو افسانہ نگار' ہے۔

چنار

کشمیر اور کشمیر کے چنار ایک دوسرے کے بغیر آدھے ادھورے ہیں۔ کشمیر کی خوبصورتی کو دوبالا کرنے کے تعلق سے چنار کی بڑی اہمیت اور افادیت ہے، اس کی ایک عظمت ہے۔ حقیقت میں چنار کشمیری تہذیب وثقافت کی ایک بڑی علامت ہے۔ ہمارے آس پاس کے ماحول کو نہ صرف کثافت سے بچانے میں بلکہ اسے خوشگوار، دل نشیں اور پرکشش بنانے میں چنار ایک اہم کردار نبھاتے آئے ہیں۔ جہاں چنار ہیں وہاں پر ہر جگہ شفافیت کا احساس اُبھرتا ہے۔ چنار کے پتے ہر بدلتے موسم میں اپنا رنگ بدلتے ہیں۔ سبز سے سرخ اور سرخ سے پیلا رنگ اپناتے ہوئے انسانی زندگی کو مختلف موسموں کا احساس دلاتے ہیں اور پھر جب یہ پتے موسم خزاں میں درختوں سے گرکر زمین پر بکھر جاتے ہیں تو زمین کا رنگ نکھر اُٹھتا ہے۔ یہ پتے زمین کو اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں۔ اُس لمحے زمین کو چومنے کو من کرتا ہے۔ جی کرتا ہے کہ ان پتوں کا لباس اوڑھ کر ان میں ہمیشہ کے لیے گم ہو جائیں۔

کشمیری چنار کی اپنی ایک تاریخ ہے اور یہ بڑی پرانی اور بڑی دلچسپ ہے۔ آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتے ہیں کہ اکبر بادشاہ نے ڈل جھیل کے کنارے نسیم باغ کے اندر بارہ سو چنار کے درخت لگوائے تھے۔ ان درختوں نے نسیم باغ کو ایک نئی اور باوقار حیثیت عطا کی۔ تاریخی حوالے اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ ان درختوں کے جڑوں کو تیس برس تک دن میں دو بار پانی سے سیراب کیا جاتا تھا۔ آج نسیم باغ کے ایک وسیع احاطے میں کشمیر یونیورسٹی کی عمارات نظر آتی ہیں۔ یونیورسٹی کے لیے مختلف نوعیت کی تعمیرات کھڑی کرنے کی وجہ سے ان چناروں کی تعداد اگرچہ سمٹ کر رہ گئی ہے لیکن یہاں اب بھی جتنے چنار موجود ہیں وہ یونیورسٹی کے ماحول کو اپنی ٹھنڈک سے خوشگوار بناتے ہیں۔ یونیورسٹی کے ماحول کو ایک نیا رنگ وروپ، ایک نئی شان بان دینے میں اپنا بھرپور تعاون فراہم کررہے ہیں۔ چناروں سے بھرا دوسرا باغ جو کہ الٰہی باغ کے نام سے جانا جاتا ہے، مغل بادشاہ شاہجہاں نے 1439 عیسوی میں بشیر خان رضوی کی نگرانی میں تیار کروایا تھا لیکن اب اس باغ کے آر پار ایک بڑی سڑک وجود میں آگئی ہے جس کے نتیجے میں سیکڑوں چنار زیرِ زمیں ہوگئے۔ شاہ جہاں کے زمانے کی اس یادگار کا ذکر اب صرف کتابوں میں ملتا ہے۔ اس کے برعکس کشمیر کے ضلع اننت ناگ کے بجبہاڑہ علاقے میں مغل بادشاہ داراشکوہ نے جو باغ لگائی تھی وہ آج بھی اتنی مدت گزر جانے کے بعد اپنے چناروں کی بہتر دیکھ ریکھ کی وجہ سے

ذہن وجگر کو سکون بخشتا ہے۔ تزکِ جہانگیری میں مغل بادشاہ جہانگیر نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ اکبر بادشاہ کے دورِ اقتدار میں راول پورہ (بڈگام) کے علاقے میں لگائے گئے ایک چنار کی جڑ کھوکھلی ہوگئی۔ چنار کے اس درخت کی کھوکھلی لپیٹ میں اس قدر گنجائش تھی کہ اس میں تین آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔ سر والٹر لارنس اپنی کتاب 'ویلی آف کشمیر' میں لکھتے ہیں کہ 1862 میں کشمیر کی لولاب وادی میں ایک ایسا چنار موجود تھا جس کی گولائی 64 فٹ تھی۔ چنار کے پس منظر میں کشمیر کے بہت سارے قلم کاروں اور شاعروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان میں کشمیر کی معروف روحانی شخصیت شیخ العالمؒ کا نام سرفہرست ہے۔

شہر سرینگر میں ڈل گیٹ کا علاقہ سیاحتی اعتبار سے ایک اہم علاقہ تصور کیا جاتا ہے۔ 'بونہِ باغ' (چناروں کا باغ) نامی اس باغ میں چنار آج بھی پوری شادابیت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ جھیل ڈل کی سیمین سطح پر ایک جگہ چار چنار استادہ نظر آتے ہیں۔ یہ جگہ 'چار چناری' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہاں سیاحوں کے ساتھ ساتھ مقامی لوگ بھی جھیل ڈل کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتے رہتے ہیں۔ ریاست کے ایک معروف ومقبول شاعر مرحوم غلام احمد مہجور نے اری گام (بڈگام) میں اپنی ملازمت کے دوران چنار کے درخت لگوائے۔ یہ چنار آج بھی مہجور کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ہفت چنار (سرینگر) کی بستی میں بخشی اسٹیڈیم تعمیر ہونے کی وجہ سے چناروں کا وجود

عکاسی :شاہنواز محمد خرم

قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔ اسی طرح دوسرے اور بھی مقامات ہیں جو چناروں کے پس منظر میں ہماری ثقافتی زندگی سے وابستہ رہے ہیں اور ان میں سے چند ایک یہ ہیں :

سات چنار	گلاب باغ، سرینگر
چودھری باغ	رعناواری، سرینگر۔ یہاں غفار نامی پولیس کے ایک ملازم نے چنار کا پہلا درخت لگایا تھا۔
شاہ پور	گاندربل، کشمیر، یہاں کا پہلا چنار ساس بہو کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
اونتی پورہ	پلوامہ، کشمیر۔ یہاں کا پہلا چنار رمضان ماموں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں پہلا چنار انھوں نے ہی لگوایا ہوگا۔
کھریو رشار	پلوامہ، کشمیر یہاں کے چنار احسنی چنار سے یاد کیے جاتے ہیں۔ پہلا چنار محمد احسن نامی شخص نے لگایا تھا۔ کاروباری لحاظ سے سرینگر کا ایک معروف علاقہ۔
مہاراج گنج	یہاں کے چنار 'چناروں کے دریا' کے نام سے مشہور ہیں۔

ان کے علاوہ آورنہ بونی (شمشان گھاٹ کے چنار)، تھکہ بونی (تھکاوٹ دور کرنے کے چنار)، دریا دودھ گنگا کے کنارے بڈہ بونی (کشمیری پنڈتوں کے چنار) کے تذکرے ہماری ثقافتی وراثت کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہاں کے معروف ومقبول باغات: ہارون، شالیمار، نشاط، اچھ بل اور ویری ناگ، چناروں کے درختوں سے مالا مال ہیں۔ دریائے جہلم کے کنارے بھی چناروں کی بہتات نظر آتی ہے اور اس طرح چنار ہماری سیاحت کا نہ صرف ایک اہم جُز ہے بلکہ چنار کشمیر کی شناخت بن چکا ہے۔ خدا کرے کہ یہ شناخت قائم ودائم رہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب مل کر چنار کی حفاظت کریں۔ چنار کی حفاظت میں ہی ہماری شناخت کی حفاظت پوشیدہ ہے۔

کشمیر کی کانگڑی

بہار، گرمی، خزاں اور سرما... کشمیر کی زندگی کے مختلف رنگ... ایک دوسرے سے الگ۔ کشمیر کا ہر موسم ایک نئے زاویے، ایک نئے انداز سے شروع ہوتا ہے اور لحہ لحہ مختلف زاویے اپنا کر آنے والے موسم میں گم ہو جاتا ہے۔ ہر موسم کے ساتھ زندگی نئے سرے سے شروع ہوتی ہے اور اختتام پر ایک اَن مٹ نقوش چھوڑتی ہے اور وہ نقوش ایک نئے موسم

میں جذب ہوجاتے ہیں۔ یہ سلسلہ رواں دواں ہے۔

ان چار موسموں کی اپنی اپنی اہمیت اور افادیت ہے، لیکن موسم سرما میں ہر شے سپید سپید سی نظر آتی ہے۔ پہاڑ، درخت، مکانات، ہاؤس بوٹ، کشتیاں، ڈونگے، شکارے... سب سپید سپید سی برف میں روپوش ہوجاتے ہیں۔ جھیلیں منجمد ہوجاتی ہیں۔ ہر سمت یخ اور ٹھنڈ کا احساس ہوتا ہے۔ سردی کے اس ماحول میں 'کأشر کانگر' یعنی کشمیری کانگڑی بڑی اہمیت اختیار کرتی ہے۔ کشمیر اور کانگڑی ایک دوسرے کی پہچان بن چکے ہیں۔ جہاں کانگڑی وہاں کشمیر اور جہاں کشمیر وہاں کانگڑی۔ کشمیری کانگڑی یعنی 'کأشر کانگر' کے کئی اقسام ہیں، کئی نام ہیں۔ مثلاً بانڈی پورہ کی کانگڑی، اسلام آباد کی کانگڑی، چرار شریف کی کانگڑی۔ ان کانگڑیوں کے نام اگرچہ ملتے جلتے ہیں اور کشمیر کے معروف علاقہ جات سے منسلک ہیں لیکن ان کی نزاکت، ان کی سجاوٹ اور ان کی بناوٹ الگ الگ ہے۔ کانگڑی کی مضبوطی کا انحصار اس میں استعمال کیے گئے مواد پر ہوتا ہے۔ مخصوص درختوں کی چھوٹی چھوٹی اور نازک شاخوں سے کانگڑی بنائی جاتی ہے۔ اس میں مٹی کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا برتن بھی استعمال ہوتا ہے جسے کشمیری زبان میں 'کنڈل' کہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں چند اطالوی کشمیر آگئے اور انھوں نے کانگڑی کشمیریوں کے حوالے کردی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے آنے سے پہلے بھی یہاں کانگڑی استعمال میں لائی جاتی تھی۔ منکہ پنڈت لکھتے ہیں:

''جب کشمیر میں سردیوں کا آغاز ہوتا ہے تو کانگڑی خود بخود سامنے آتی ہے''

سر والٹر لارنس بھی اپنی تخلیق 'ویلی آف کشمیر' میں کانگڑی کا ذکر کرتے ہیں۔ معروف مؤرخ کلہن نے بھی کانگڑی کا ذکر کیا ہے۔ کلہن کے مطابق وکرمادتیہ کی خواب گاہ میں سردیوں کے موسم میں کانگڑی موجود رہتی تھی۔ اس لحاظ سے کشمیر اور کانگڑی کا تعلق صدیوں پرانا ہے اور یہ تعلق کشمیری زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ جس طرح ناؤ کشمیری کلچر کا ایک حصہ تصور کی جاتی ہے، اسی طرح کانگڑی بھی کشمیر کے کلچر کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ کشمیر کی سردی کا کانگڑی کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سردی اور ٹھنڈ سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کشمیر کے لوگ... مرد، عورتیں، بچے جس لباس کا استعمال کرتے ہیں اُس میں 'فیرن' بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس فیرن کے اندر جو چیز آپ کو نظر آئے گی وہ صرف اور صرف کانگڑی ہوگی۔ کانگڑی ایک ہیٹر "Heater" ہے اور اس ہیٹر کو استعمال کرنے کے لیے کوئلے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ اس میں لاگت کم آتی ہے اور گرمی سستے داموں پر حاصل ہوتی ہے۔ اب تو کانگڑی تجارت کے طور پر بھی استعمال میں لائی جاتی ہے۔ چھوٹی بڑی کانگڑیاں مختلف رنگ وروپ میں کشمیر آنے والے سیاحوں کا دل لبھاتی ہیں۔ اکثر سیاح اپنے گھروں کی سجاوٹ میں اضافہ کرنے کے لیے کانگڑی خریدتے ہیں اور اپنے ان دوستوں کو بھی تحفے کے طور پر پیش کرتے ہیں جنھوں نے کشمیر نہیں دیکھا ہو۔

کشمیر کو قدرت نے عجائبات سے اس قدر سجایا اور سنوارا ہے کہ ان کی وجہ سے کشمیر کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ ان عجائبات میں کانگڑی ایک ایسا عجوبہ ہے جو بے حد کارآمد ہے اور سردی کے موسم میں جہاں کشمیر ہے، کشمیری ہے وہاں کانگڑی بھی ہے۔

■

Noor Shah
14, Laldeed Colony, Ghori Pura
Link Road, Rawalpura
Srinagar - 190005 (Kashmir)
Tel.: 8899637012

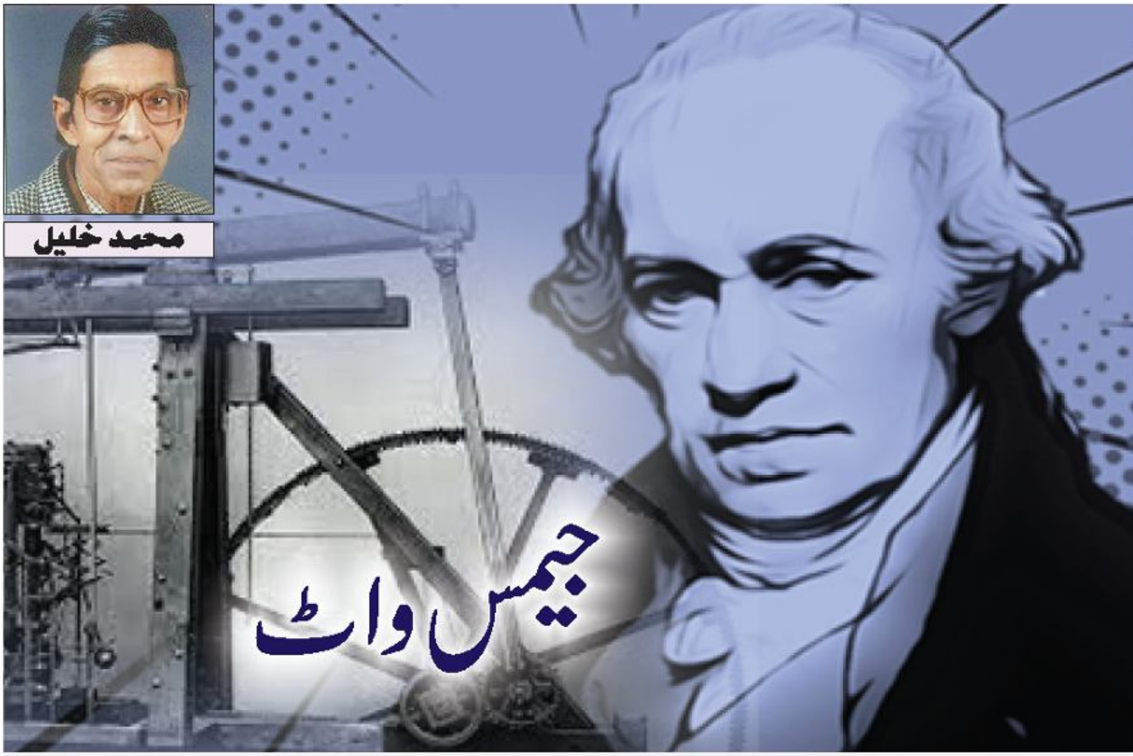

جیمس واٹ

جیمس واٹ 1636 میں لندن گرینک نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ بچپن میں وہ نہایت دبلے پتلے تھے لیکن پکے ارادے کے تھے۔ وہ مصیبتوں سے کبھی گھبراتے نہیں تھے۔ خاموش رہنا انھیں بے حد پسند تھا۔ تصویریں بنانے کا انھیں بے حد شوق تھا۔ پڑھائی لکھائی میں ان کی طبیعت بالکل نہیں لگتی تھی، جس سے گھر پر انھیں اپنے والدین کی ڈانٹ سننی پڑتی تھی، لیکن ان پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

ایک دن جب کھیلنے کے بعد گھر واپس آئے تو ان کی چچی جان کھانا پکا رہی تھیں اور پکتے ہوئے کھانے کی دیگچی پر رکھی طشتری بھاپ سے اوپر اٹھ رہی تھی، اسے انھوں نے بغو ردیکھا اور ان کے ذہن میں یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوا کہ آخر یہ کیوں اٹھ رہی ہے۔ وہ سمجھ نہ سکے، لیکن کوئی طاقت ہے جو اسے اوپر اٹھاتی ہے اور وہ ایک دن پانی سے بھری دیگچی آگ پر رکھ کر اس کے پاس جا بیٹھے جب برتن سے بھاپ نکلنے لگی تو انھوں نے اسے ٹھنڈی طشتری سے ڈھک دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ طشتری کی نچلی سطح پر پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے جمع ہو گئے ہیں۔ جیمس ان قطروں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس دوران اس کی چچی جان اس پر خفا ہو رہی تھیں کہ باورچی خانے میں کیا بے وقوفی کر رہے ہو، تمھارا جی کھیل سے نہیں بھرتا جو تم اپنا وقت اس طرح خراب کر رہے ہو لیکن وہ چچی کی بات سن ہی نہیں رہا تھا کیونکہ وہ تو چھوٹے چھوٹے پانی کے قطروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ دیگچی کا گرم پانی جب ٹھنڈی طشتری پر پہنچا تو چھوٹے قطروں میں تبدیل ہو گیا۔ اس طرح پانی اور بھاپ دونوں ایک ہی چیز ہے اور دونوں کو سردی گرمی کے اثر سے ایک دوسرے کی شکل تبدیل کی جاسکتی ہے۔

بعد میں جیمس جب انیس سال کی عمر میں مشینی پرزوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن چلا گیا جہاں اس نے جان

مارگن سے تعلیم حاصل کی لیکن صحت ٹھیک نہ رہنے سے جلد ہی اسے گھر واپس ہونا پڑا۔ 1656 میں اسے گلاسگو یونیورسٹی میں مشینی پرزوں کو ٹھیک کرنے کے لیے جگہ مل گئی، وہیں اسے نیوکمین نامی شخص کے انجن کی جانچ کرنے کا موقع ملا۔ وہ انجن کی جانچ کے بعد یہ جان گیا کہ سلنڈر میں بھاپ بنانے کے لیے جو مسلسل ٹھنڈا پانی پہنچایا جاتا ہے، اس سے انجن کی حرارت ضائع ہوجاتی ہے اور اس کی طاقت میں بہت زیادہ کمی آجاتی ہے، اس لیے اب وہ اس کوشش میں تھا کہ انجن کو کس طرح گرم رکھا جائے۔ چھٹی کا دن تھا لیکن جیمس تجربات کے بارے میں سوچ رہا تھا، اچانک اس کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر سلنڈر کے قریب ایک دوسرے برتن میں ہوا نکال دی جائے اور اسے ویکوأم (ہوا سے خالی جگہ) بنادیا جائے اور اس کو ایک نلی کے ساتھ سلنڈر سے جوڑ دیا جائے تو ظاہر ہے کہ سلنڈر کی بھاپ خود بخود ہی اس برتن میں داخل ہوجائے گی۔ اس طریقے سے انجن کی گرمی اسی طرح باقی رہے گی اور اس کی طاقت میں اضافہ ہوجائے گا۔ اس کے ذریعے جیمس نے انجن کو بہت کارآمد بنالیا۔ اس میں کئی اچھی تبدیلی کی لیکن اسے بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اس کے پاس سرمایے کی کمی تھی۔ اس طرح وہ خواہش کے باوجود انجن بنانے سے مجبور تھا۔ انھیں دنوں ایک امیر شخص اس کی مدد کے لیے تیار رہو گیا لیکن انجن کو تیار کرنے کے لیے اس وقت کاریگروں کی کمی تھی جس کی وجہ سے اس نے انجن بنانے میں غیر تجربہ کار مزدوروں کی مدد لی جس کی وجہ سے ٹھیک طور پر انجن تیار نہ ہوسکا اور اس میں کئی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ مثلاً کبھی انجن کی بھاپ نکل جاتی تھی تو کبھی انجن ٹپکتا تھا اس سے وہ رنجیدہ رہتا تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری، قرض بھی اس پر بہت ہوگیا لیکن وہ انجن کو بہتر بنانے میں برابر لگا رہا اور اس کی محنت آخرکار رنگ لائی اس نے اپنا انجن تیار کرلیا، اس کے انجن کو ڈلٹن نامی شخص نے دیکھ کر بے حد پسند کیا۔ وہ ایک کوئلے کی کان کا مالک تھا اس وقت یورپ میں کوئلے کی کانوں سے کوئلہ نکالنے میں بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور اس وقت جو طریقے استعمال میں لائے جاتے تھے وہ سب کافی مشکل کے ساتھ گراں بھی تھے اس لیے کوئلے کو آسانی سے باہر لانا ایک بڑا مسئلہ تھا جسے حاصل کرنے کے لیے فرانس کے سائنسداں پیپن اور اس کے بعد یورپ کے سائنسداں نیوکمین نے انجن کو بنانے کی کوشش کی لیکن وہ پوری طرح کامیاب نہ ہوئے جسے جیمس واٹ نے کر دکھایا اس نے یہ سمجھ لیا کہ جب پانی گرمی کے اثر سے بھاپ کی شکل اختیار کرتا ہے تو شکل کے ساتھ ہی اس کے عمل میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ اس میں ایک ایسی طاقت پیدا ہوجاتی ہے کہ اس کا آپ اندازہ نہیں کرسکتے، بھاپ میں اس قدر طاقت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ ڈھکی ہوئی طشتری کو اٹھا کر گرادیتی ہے۔ اگر بھاپ کو بڑے پیمانے پر جمع کرلیا جائے تو بڑی دھاتیں اس کے ذریعے پگھلائی جاسکتی ہیں اسی بھاپ کی طاقت کا فائدہ جیمس واٹ نے اٹھایا اور ایسے مشینی پرزے تیار کیے کہ بھاپ کا کارآمد انجن وجود میں آگیا جس کی کہانی میں آپ کو سنا رہا ہوں۔ والٹن اور جیمس نے آپس میں مل کر انجن کا ایک کارخانہ قائم کیا اور اس سے دونوں نے کافی فائدہ اٹھایا۔ آج اسی کارآمد انجن کی مدد سے کتنے ہی قسم کے انجن اور مشینیں بن چکی ہیں اس طرح جیمس واٹ نے دنیا کو ایک کارآمد انجن دیا۔

[دسمبر 2020 کے شمارے میں ان کا تعارف ملاحظہ فرمائیں]

■

Mohammad Khalil
H-51, Dr. Iqbal Lane
Batla House, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

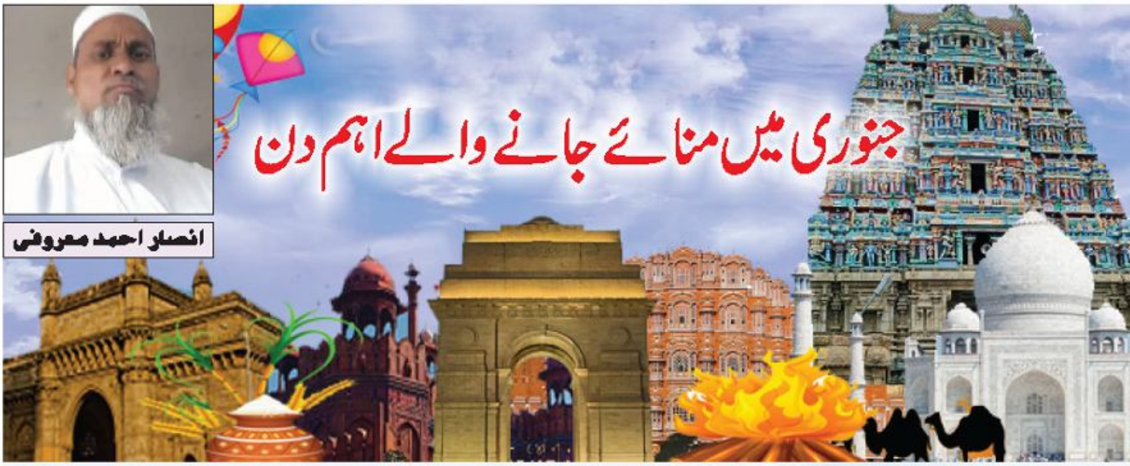

جنوری میں منائے جانے والے اہم دن

انصار احمد معروفی

سال کے مہینوں اور ہفتوں میں بہت سے ایام منائے جاتے ہیں، ان میں سے کچھ دن تو بہت مشہور ہیں جیسے 26/جنوری، 15/اگست، نیز 14/نومبر وغیرہ، مگر ان کے علاوہ بہت سے ایسے ایام ہیں جو اتنے مشہور نہیں، کیونکہ ان کو بہت دھوم دھام سے نہیں منایا جاتا۔ اس کے باوجود ان دنوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت مسلّم ہے۔ سال میں ایسے ایام تقریباً 200 سے کم نہیں ہوں گے۔ یہ دن کیوں منائے جاتے ہیں؟ اور ان ایام میں پروگرام کیوں منعقد کیے جاتے ہیں اور ان کے کیا فائدے ہیں؟ اس کی بہت سی وجہیں ہیں، مثلاً ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس موقعے پر اس دن کی تاریخی اہمیت بتائی جاتی ہے۔ جیسے 5/ستمبر کو ہمارے بھارت میں 'یوم اساتذہ' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن یہ بتایا جاتا ہے کہ اس تاریخ میں بھارت کے سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشنن پیدا ہوئے تھے، جو ایک قابل اور ماہر استاذ تھے، جنھیں تعلیم کے فروغ سے محبت تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اساتذہ اپنی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے انجام دیں۔ اس مناسبت سے ان کی تاریخ پیدائش کو 'یوم اساتذہ' کے نام سے منایا جاتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ سال کے پہلے مہینہ جنوری میں ہمارے ملک میں کتنے دن منائے جاتے ہیں؟ اور جو دن منائے جاتے ہیں ان کی تاریخ میں کیا اہمیت ہے؟

4/جنوری کو پوری دنیا میں 'یوم لوئی بریل' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دن نابیناؤں کو تعلیم سے جوڑنے اور اس کی ایجاد کرنے والے کا نام 'لوئی بریل' تھا۔ جن کا یوم پیدائش 4/جنوری 1809 ہے اور یوم وفات 6 جنوری 1852 ہے۔ چونکہ تعلیم حاصل کرنا سب کا پیدائشی حق ہے، اب اندھے لوگ کس طرح تعلیم حاصل کریں؟ اس لیے لوئی بریل نے ان کو تعلیم سے جوڑنے کے لیے ایک طریقہ اختیار کیا، جس میں حروف کو کاغذ پر ابھار کر لکھا جاتا ہے، اور انھیں ہاتھ کی مدد سے چھو کر حروف کی پہچان کرائی جاتی ہے۔ کیونکہ حروف کی شکلیں الگ الگ ہوا کرتی ہیں۔ حالانکہ لوئی بریل خود اندھا تھا، لیکن پیدائشی طور پر نہیں، بلکہ جب وہ تین سال کا بچہ تھا، تب وہ اپنے والد کے کارخانے میں کھیل رہا تھا، اور ایک چمڑے میں سوراخ کرنے کے نتیجے میں اس کی آنکھ میں ایسی چوٹ لگی کہ وہ دھیرے دھیرے نابینا ہوگیا۔ وہ اپنی غلطی پر شرمندہ تھا، مگر اب کیا ہوسکتا تھا، طرح طرح کے علاج کے باوجود اس کی روشنی واپس نہیں ہوئی۔ وہ جاہل نہیں رہنا چاہتا تھا، مگر کس طرح تعلیم حاصل کرے؟ اس کے والد نے اسے پیرس کے ایک ادارے میں داخل کیا۔ روزنامہ جنگ نے بچوں کے صفحے میں لکھا ہے

کہ ''لوئی اپنے والدین کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، (پیرس) ان کے گھرانے میں تعلیم کا حصول ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن لوئی کی ذہانت دیکھ کر والدین نے فیصلہ کرلیا تھا کہ لوئی کو تعلیم دلوائیں گے۔ لوئی کی دلچسپی اور ذہانت کو دیکھتے ہوئے اسکول میں داخل کردیا، اس کی یادداشت اور ذہنی صلاحیتیں زبردست تھیں، وہ شوق اور توجہ سے استاد کا سبق سنتا، اسکول کے استاد نے سائمن بریل کو مشورہ دیا کہ وہ لوئی کو نابینا بچوں کے اسکول میں داخل کرادے، بریل نے محسوس کیا کہ اسکول میں بھی پڑھنے کے لیے جو طریقۂ کار اپنایا گیا ہے وہ انتہائی مشکل بلکہ پیچیدہ تھا، ابھرے ہوئے لاطینی الفاظ بڑے ضخیم کاغذ پر نقش کردیے جاتے تھے، کتابیں اس قدر وزنی ہوتی تھیں کہ بچوں کے لیے انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا از حد دشوار تھا، بریل کے ذہن میں خیال تھا کہ کسی بھی طرح نابینا انسانوں کے لیے پڑھائی آسان کرے، ایک دن اسے خیال آیا کہ پورے الفاظ کاغذ پر کیوں نقش ہوں؟ بریل نے ایک کاغذ لیا، تمام تحریر کو الفاظ کے بجائے چھوٹے چھوٹے ابھرے ہوئے نقطوں میں تبدیل کرڈالا، کوئی بھی بچہ اپنی انگلیوں سے ان ابھرے ہوئے نقطوں کو محسوس کرکے الفاظ ترتیب دے سکتا تھا، بریل اس وقت صرف پندرہ برس کا تھا، نابینا انسانوں کے پڑھنے کے لیے ایک ایسے آسان طریقے کی بنیاد ڈالی جو آج تک قائم ہے۔''

نابینا افراد سے محبت اور ہمدردی کے اظہار کے لیے یہ دن ہر سال چار جنوری کو منایا جاتا ہے۔

جنوری کے دوسرے ہفتے میں 9/ تاریخ کو 'یوم غیر مقیم ہندوستانی' کے نام سے ایک دن منایا جاتا ہے، یعنی ہندوستان کے وہ حضرات جو ملازمت اور دوسری کسی غرض سے ملک سے باہر رہتے ہیں، مگر درحقیقت وہ ہندوستانی شہری ہیں اور اپنی کمائی کا حصہ وہ بھارت میں بھیجتے ہیں جس سے ملک کی ترقی میں مدد ملتی ہے، یہ دن ان کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف کے طور پر منایا جاتا ہے اور اس دن ان میں سے منتخب افراد کو ایوارڈ سے بھی نوازا جاتا ہے۔ چونکہ اسی دن مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ سے ہندوستان واپس آئے تھے، اس لیے یہ دن اسی تاریخ کو منایا جاتا ہے۔

جنوری کی 10/ تاریخ کو 'عالمی یوم قہقہہ' منایا جاتا ہے۔ یہ دن اس لیے منایا جاتا ہے تاکہ اس دن خوشی کے اظہار کے ذریعے دکھ اور رنج کے احساس کو کم کیا جائے۔ عالمی یوم قہقہہ منانے کی ابتدا 10/ جنوری 1998 کو ممبئی سے ہوئی۔ اسے ڈاکٹر مدن کٹاریہ نے شروع کیا۔ جو عالمگیر سطح پر 'لافٹر یوگا موومنٹ' یعنی قہقہوں سے بھرا ہوگا۔ تحریک کے بانی ہیں۔ تحریک کا دعویٰ ہے کہ یوم قہقہہ عالمی امن کا مثبت اظہار ہے اور اس کا مقصد عالمی بھائی چارے اور دوستی کا شعور پیدا کرنا ہے۔ اس کی مقبولیت قہقہوں والے یوگا کے ساتھ کافی بڑھ گئی ہے۔ تاحال 100/ ممالک میں 6/ ہزار قہقہوں کے کلب بن چکے ہیں۔

پہلا عالمی یوم قہقہہ 10/ جنوری 1998 کو ممبئی میں منعقد ہوا۔ اس میں مقامی اور بین الاقوامی قہقہوں کے کلبوں سے بارہ ہزار افراد شریک ہوئے اور ایک منفرد ہنسنے کا اجلاس منعقد ہوا۔ بھارت سے باہر پہلا عالمی یوم قہقہہ اجتماع کا نام 'ہیپی ڈیمک' (Happy-demic) تھا۔ یہ سال 2000 میں کوپن ہیگن، ڈنمارک میں منعقد ہوا جس میں ٹاؤن ہال اسکوائر میں 10000 افراد جمع ہوئے۔ کثرت تعداد کی وجہ سے اس تقریب کو گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں جگہ ملی تھی۔ وکی پیڈیا۔

12/ جنوری کو بھارت میں 'قومی یوم نوجوان' کے نام سے منایا جاتا ہے لیکن عالمی طور پر نوجوانوں کا یہ دن 12/ اگست کو منایا جاتا ہے۔ کسی بھی ملک اور قوم کا مغز وہاں کے باصلاحیت اور مستعد نوجوان ہوتے ہیں، جن کی عمر 15/ سال

سے 40 رسال کی ہو، دراصل طاقت، امنگ، حوصلہ اور بلند پروازی کا دوسرا نام 'نوجوان' ہیں۔

وکی پیڈیا کے مطابق اس دن کے منانے کا مقصد نوجوانوں کے مسائل اور ان کی ترقی کے لیے مواقع تلاش کرنا اور بیرون ملک ملنے والے مواقع اور خطرات سے آگاہ اور ازالے کے بارے میں شعور بیدار کرنا ہے۔ 15 سے 30 سال تک کی عمر کے نوجوانوں کی تعداد ہندوستان میں ہندوستان کی آبادی کا تقریباً نصف حصہ ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق دنیا کا ہر چوتھا نوجوان غربت کا شکار ہے اور ہر پانچواں روزگار سے محروم ہے، دنیا کی آبادی کا چھٹا حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق ایشیا میں سب سے زیادہ نوجوان موجود ہیں۔ نوجوانوں کے عالمی مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ ان کی بے روزگاری کا ہے۔ حالانکہ وہ نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باصلاحیت ہیں، مگر ان کے لیے روزگار کے ذرائع مسدود ہیں، اسی کے ساتھ لڑکیوں میں ابھی بھی تعلیم کی کمی اور کم عمر کی شادیاں بھی ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق دنیا بھر میں 62 ملین لڑکیاں ایسی ہیں جو تعلیم کے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ یونیسیف کے مطابق ہر سال دنیا بھر میں 15 رملین شادیاں ایسی ہوتی ہیں جن میں دلہن کی عمر 18 رسال سے کم ہوتی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں ہر تین میں سے ایک لڑکی کی جبراً کم عمری میں شادی کر دی جاتی ہے۔

15 رجنوری یوم افواج کی حیثیت سے منایا جاتا ہے۔ کسی بھی ملک کی حفاظت اور اندرونی سلامتی کے لیے افواج کی کارکردگی انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح سے مانی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ملک میں کسی بھی ناگہانی حادثہ سے نمٹنے کے لیے فوج کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک فوجی پوری عوام کو چین و اطمینان کی زندگی گزارنے کی راہ ہموار کرتا ہے، فوجی جوانوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی ہمت بڑھانے کے مقصد کے لیے یہ دن منایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہولی، دسہرہ اور اس قسم کے موقع پر ملک کے وزیر اعظم یا وزیر دفاع سرحد پہنچ کر ان کے ساتھ خوشیاں مناتے اور ان کی دلداری کرتے ہیں۔ اس دن ان شہیدوں کو سلامی پیش کی جاتی ہے جنھوں نے ملک کے تحفظ کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ 'ہر روز روز عید' کے مصنف ڈاکٹر احتشام صاحب نے لکھا ہے کہ اسی دن 1949 میں ہندوستان میں برطانیہ کے آخری کمانڈر ان چیف جنرل سر فرانسس بوچر سے ہندوستان کے پہلے کمانڈر ان چیف فیلڈ مارشل کوڈنڈیرا ایم کریپا نے چارج لیا تھا۔

26 رجنوری یوم جمہوریہ۔ ہمارا ملک ہندوستان پندرہ اگست 1947 کو انگریزوں کے قبضے سے آزاد ہوا، لیکن دستور ساز اسمبلی نے آئین ہند کو 26 رنومبر 1949 کو مکمل کر کے 26 رجنوری 1950 کو اس کے نفاذ کی اجازت دی، جو ایکٹ 1935 سے نافذ تھا، اسے منسوخ کر کے آئین ہند کو اسمبلی نے نافذ کیا۔ اب اپنا ملک اور اپنا بنایا ہوا قانون ہندوستان میں جاری ہوا، جو اب تک چل رہا ہے۔ اسی خوشی میں اس دن کو یوم جمہوریہ کے طور پر منایا جاتا ہے۔

آزادی کے بعد ایک دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اعلان ہوا، جس نے اپنا کام 9 ردسمبر 1947 سے شروع کر دیا، اس مجلس قانون ساز نے دو سال گیارہ مہینے اور اٹھارہ دن میں ہندوستان کے نئے آئین کو مرتب کر کے اسے مکمل کیا، اور دستور ساز اسمبلی کے صدر ڈاکٹر راجندر پرساد کو 26 رنومبر 1949 کو ہندوستان کا نیا آئین پیش کیا، اسی وجہ سے اس کی یاد میں ہر سال 26 رنومبر کو 'یوم آئین ہند' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس میں بہت سی اصلاحات اور ترمیم کی گئی، کچھ تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں، ان اصلاحات کے بعد کمیٹی کے

308 ممبروں نے 24/جنوری 1950 کو اس کی دو کاپیوں پر دستخط کیے، اور اس کے دو دن کے بعد یہ نیا آئین 26/جنوری کو پورے ملک میں نافذ ہوگیا اور اس طرح اس ملک کو ایک جمہوری ملک کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

اسی 26/جنوری کو 'بین الاقوامی یوم کسٹم' بھی منایا جاتا ہے۔ جب کوئی سامان تجارت کے لیے باہر لے جاتے یا لاتے ہیں تو حکومت ان چیزوں پر کسٹم نافذ کرتی ہے، جس کے بین الاقوامی کچھ اصول بنائے گئے ہیں، اس سے ملک کی آمدنی کے علاوہ چوری چھپے ناجائز اشیا کی تجارت پر بھی روک لگتی ہے اور چیزوں کا تحفظ بھی اس سے یقینی بنایا جاتا ہے۔

23/جنوری کو ہندوستان میں 'یوم حب الوطنی' منایا جاتا ہے۔ یہ دن مجاہد آزادی اور آزاد ہند فوج کے بانی سبھاش چندر بوس کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ چونکہ نیتا جی کی تاریخ پیدائش 23/جنوری 1897 ہے، اس لیے اس دن کو یوم حب الوطنی کے طور پر منایا جاتا ہے۔

24/جنوری کو 'قومی یوم بنات' منایا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی تاریخ کو بھارت میں محترمہ اندرا گاندھی پہلی خاتون وزیر اعظم کے طور پر جلوہ افروز ہوئیں لیکن عالمی پیمانے پر 11/اکتوبر کو لڑکیوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ یوم نوجوان کے موقع پر لڑکیوں کے سلسلے میں کچھ تذکرہ آچکا ہے۔

25/جنوری 'قومی یوم رائے دہندگان' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی دن 1950 میں الیکشن کمیشن آف انڈیا کا قیام ہوا تھا، اس لیے اس دن کو 'ووٹرڈے' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ 2011 میں اس وقت کے وزیر اعظم ہند منموہن سنگھ نے اس دن کو 'یوم رائے دہندگان' کی حیثیت سے منانے کا فیصلہ کیا تھا، تب سے اب تک یہ دن ہر سال 25/جنوری کو منایا جاتا ہے۔ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندے اپنی مرضی اور ارادے سے اس ملک کا حاکم منتخب کرنے کے اہل ہیں۔ اس لیے یہ ملک ایک عوامی ملک ہے، نہ کہ شاہی ملک۔ البتہ ووٹ دینے اور اپنے حق رائے دہی کے استعمال کے وہ لوگ حقدار ہوں گے جن کی عمر سرکاری ریکارڈ کے مطابق 18/سال ہو۔ اس کے لیے حکومت ایک پہچان کارڈ جاری کرتی ہے۔

30/جنوری کو پورے ملک میں 'یوم شہدا' منایا جاتا ہے، اس موقع پر ملک کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے والے تمام شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، اس دن کو یوم شہدا کے طور پر منانے کی وجہ یہ ہے کہ اسی دن بابائے قوم ملک کی آزادی کے عظیم مجاہد اور شہید مہاتما گاندھی کا یوم شہادت ہے۔

30/جنوری 'یوم انسداد جذام' منایا جاتا ہے۔ اس مرض کے تعارف میں اردو وکی پیڈیا میں بتایا گیا ہے کہ "مریض کی چمڑی چھونے سے، اس کے چھینکنے، کھانسنے یا تھوکنے سے بیماری پھیلتی ہے، اس مرض کو 'کوڑھ کا مرض' کہا جاتا ہے، تمام طرح کے کوڑھ کے مریض کا علاج ہوسکتا ہے۔ وکی پیڈیا کے مطابق یہ ایک متعدی مرض (Infetious disease) ہے۔ مریض کا جسم گلنا شروع ہوجاتا ہے، جسم میں پیپ بڑھ جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی انسان کا جسم ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گرنے لگتا ہے، اس جراثیم کے جسم میں داخل ہونے کا راستہ عام طور پر سانس ہوتا ہے۔

اس دن کے منانے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں شعور پیدا کرنے کی کس حد تک ضرورت ہے۔ اس دن یہ بتایا جاتا ہے کہ اس بیماری کی روک تھام، علاج اور نجات ممکن ہے۔

[ستمبر 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف شائع ہوچکا ہے]

■

AnsarAhmad Marufi
Baluwa,Po Kurthijafarpur- 275305
Dist.: Mau (UP)

یورپ کا دل: لندن

محمد زاهد

پیارے بچو! تم نے یورپ کے ملک انگلینڈ کا نام ضرور سنا ہوگا۔ یہ ملک ہندوستان کے مغرب میں تقریباً نو ہزار کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ چاروں طرف سمندروں سے گھرا ہوا ہے۔ اس سے قریب ترین ملک آئر لینڈ، فرانس، بلجیم اور ہالینڈ ہیں۔ اس کا زمینی رقبہ دو لاکھ چوالیس ہزار آٹھ سو بیس (244820) مربع کلو میٹر اور آبادی تقریباً ساڑھے چھ کروڑ ہے۔ یہاں کے روپے کو برٹش پاؤنڈ کہا جاتا ہے۔ جو ہندوستان کے 90 روپے کے برابر ہوتا ہے۔ اس ملک کی سرکاری زبان انگریزی ہے۔ اس کے علاوہ آئرش اور ویلس زبانیں بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ انگلینڈ کا دارالسلطنت لندن ہے جو دنیا کے دس بڑے اور مہنگے شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ لندن کو یورپ کا دل بھی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی یورپ کی بات کرتا ہے تو لندن، پیرس اور روم کا تذکرہ ضرور کرتا ہے۔

انگلینڈ کی قدیم تاریخ بتاتی ہے کہ اس ملک میں انسانی آبادی تقریباً تیرہ ہزار سال پرانی ہے۔ یہاں سب سے پہلے CELTIC لوگ آباد ہوئے۔ پھر بلجیم سے کئی قبیلے آکر بسے۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے 43 سال پہلے روم والوں نے اس ملک کو فتح کیا۔ یہاں پانچ صدیوں تک ان کی حکمرانی رہی۔ اس کے بعد Anglo-Saxons لوگوں کی حکومت بنی جن سے پرانی انگریزی زبان کی ابتدا ہوئی۔ شروع میں آبادی کا مرکز جنوبی اسکاٹ لینڈ تھا۔ 800 عیسوی تک اس کے شمالی حصے تک لوگ آباد ہوگئے۔ 1066 عیسوی میں اس ملک پر Norman خاندان کی بادشاہت قائم ہوئی جو تقریباً 70 سال تک چلتی رہی۔ اس کے بعد Plantagnet خاندان کا راج ہوا۔ 1337 عیسوی سے لے کر 1453 عیسوی تک فرانس سے جنگ ہوتی رہی جسے سو سالہ جنگ یا Wars of Roses کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ 1485 عیسوی سے اس ملک پر Tudor خاندان پھر Stuart خاندان کی حکومت رہی اور آخر میں Oliver Cromwell کی تانا شاہی حکومت 1653-59 عیسوی پر اس کا خاتمہ ہوا اور 1707 میں گریٹ برٹن Great Britain کا قیام عمل میں آیا۔ اس درمیان وہاں کے رہنے والے کاشت کاری، تجارت، اور علم و ادب کو

فروغ دینے کی کوشش کرتے رہے۔ انہوں نے دنیا کے دیگر ممالک میں اپنے مندوبین اور سیاحوں کو بھیجا اور وہاں کے حالات جاننے کی جستجو میں لگے رہے۔ ہندوستان میں انھوں نے تجارت کرنے کے لیے مغل شہنشاہ سے اجازت نامہ حاصل کرلیا اور کئی صوبوں میں تجارتی مراکز قائم کر لیے۔ سمندری سفر کی وجہ سے لندن مشہور ہونے لگا کیونکہ یہ دھیرے دھیرے تجارت، سیاست اور صنعت وحرفت کا مرکز بننے لگے تھا۔

انگلینڈ کے صنعتی انقلاب نے یورپ پر زبردست اثر ڈالا۔ مشینوں اور فیکٹریوں کے قیام، نئی ایجادات اور سائنسی ترقیوں نے یورپ کے دیگر غیر ترقی یافتہ ملکوں کے لوگوں کو انگلینڈ آنے اور وہاں روزگار پانے کے لیے اکسایا۔ لندن اس عظیم الشان سلطنت کا مرکز تھا اور تقریباً ڈیڑھ سو سال تک یہ بے مثال شہر بنا رہا۔ تب تک امریکہ، کناڈا، جاپان، ملیشیا، آسٹریلیا وغیرہ کے شہر صف دوم سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

اب لندن دنیا کے بڑے شہروں، نیویارک، پیرس، استنبول، دبئی، سنگاپور، ٹوکیو، سڈنی، کوالالمپور، شنگھائی، دہلی وغیرہ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں کی آبادی 2019 کی مردم شماری کے مطابق تقریباً نوے لاکھ ہے جس میں دس لاکھ کی تعداد مسلمانوں کی ہے۔ خاصی تعداد میں افریقی اور چائنیز بھی ہیں۔ اردوداں طبقے کی معقول تعداد یہاں بستی ہے۔ یہاں اردو کی کئی بین الاقوامی کانفرنسیں ہوچکی ہیں۔ مشاعرہ اور نثری نشست بھی ہوتی ہیں۔ جگہ جگہ مسجدیں ہیں۔ مسلمانوں کے ریسٹورنٹ ہیں جہاں حلال اشیا دستیاب ہیں۔ لندن میٹرو، بسیں اور ٹیکسیاں آنے جانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ گھومنے والی جگہوں میں لندن آئی۔ لندن ٹاور، لندن برج، دریائے ٹیمس، ملکہ کا محل، میڈم توساد کا میوزیم، سینٹ پال چرچ وغیرہ ہیں۔ آیئے اب ان کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہیں۔

لندن آئی (London Eye) کا دوسرا نام ملینیم وہیل (Millennium Wheel) بھی ہے۔ یہ چرخی والے جھولے کی طرح ہے جو اوپر جاتا ہے اور پھر گھومتے ہوئے نیچے آتا ہے۔ یہ دریائے ٹیمس کے کنارے Lambeth نامی مقام پر West Minster Bridge Road کے کنارے واقع ہے۔ اسے سیاحوں کے لیے 31 دسمبر 1999 میں کھولا گیا۔ اس کی تعمیر پر 70 ملین پاؤنڈ خرچ ہوئے تھے۔ اس کی اونچائی 135 میٹر ہے۔ اس بلندی پر آ کر شیشے کے بنے کیبن سے سیاح پورے لندن کا منظر دیکھ لیتے ہیں۔ سالانہ یہاں تیس لاکھ لوگ اوسطاً آتے ہیں۔ اس کے ٹکٹ کی قیمت تقریباً 2500 روپے ہے۔

اصل لندن ٹاور کی تعمیر 1078 عیسوی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد 1285 عیسوی میں اس کی مرمت ہوئی۔ 1377 عیسوی میں پھر اس کی توسیع ہوئی۔ اونچائی 27 میٹر ہے۔ اس کی تعمیر انگلینڈ کے بادشاہ ولیم نے کی تھی۔ یہ ایک قلعہ نما عما

رت ہے جسے بنانے میں 20 سال لگے تھے۔ اس کی بنیاد کی لمبائی 36 میٹر اور چوڑائی 32 میٹر ہے۔ انگلینڈ کے اکثر بادشاہوں نے اس میں قیام کیا تھا۔ اب یہ سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ اس کے دیکھنے کے لیے تقریباً 2400 روپے کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔

لندن برج (London Bridge) کی تعمیر 1886 میں شروع ہوئی تھی اور اختتام 1894 میں ہوا۔ اس کا ڈیزائن ہاربس جونس (Horace Jones) نے بنایا تھا۔ اس کی اونچائی 65 میٹر ہے۔ اس میں اسٹیل کے رسوں کا استعمال ہوا ہے جسے وزن کو لٹکانے اور اسے گرنے سے محفوظ رکھنے کے لیے بنایا ہے، اسے معلق پل (Suspension Bridge) بھی کہتے ہیں۔ یہ دریائے ٹیمس کے دو کناروں کو جوڑتا ہے جس کے ذریعے گاڑیاں آسانی سے گزر جاتی ہیں۔ اس کی لمبائی 244 میٹر ہے۔ اسے ٹاور برج (Tower Bridge) بھی کہتے ہیں۔

دریائے ٹیمس کے کنارے لندن کی پوری آبادی بسی ہوئی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ 43ء میں جب روم والوں نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو انھیں ایک بندرگاہ کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنے تجارتی سامان، غلہ اور شراب وغیرہ دوسری جگہوں تک زمینی سڑک کے ذریعے پہنچا سکیں۔

انھوں نے دریائے ٹیمس کے کنارے اس جگہ کو منتخب کیا اور اپنی بستیاں بسائیں نیز اس جگہ کا نام لندینیم (Londnium) رکھا۔ بادشاہ الفریڈ نے اسے بیرونی حملہ آوروں سے اپنے قبضے میں لیا اور نئے طرز پر آباد کیا۔ یہ دریا 346 کلومیٹر کا لمبا سفر طے کرنے کے بعد سمندر سے جا کر مل جاتا ہے۔ اس کا کنارہ بہت خوبصورت ہے۔ دریا میں چلنے والی کشتیاں اور چھوٹے جہاز الگ سماں باندھتے ہیں۔

ملکہ کا محل جو بکنگھم پیلس (Buckingham Palace) کہلاتا ہے، اس کی تعمیر 1703 میں ہوئی تھی۔ 1873 میں ملکہ وکٹوریہ نے اس میں رہائش اختیار کی تب سے یہ شاہی خاندان کی جائے سکونت بن گیا ہے۔ اس میں 775 کمرے ہیں۔ یہ عمارت 108 میٹر لمبی اور 120 میٹر چوڑی ہے۔ اس کی اونچائی 24 میٹر ہے۔ یہاں شام کے وقت محافظوں کی بدلی (Change of Guards) ہوتی ہے جسے دیکھنے کے لیے سیاح جمع ہوتے ہیں۔

میڈم توساد کا میوزیم میرل بون (Marylebon) سڑک پر واقع ہے۔ اس کی تعمیر 1835 میں ہوئی تھی۔ یہاں دنیا کی مشہور شخصیات کے موم کے مجسمے بنا کر رکھے گئے ہیں۔ یہاں داخلہ فیس تقریباً 3200 روپے ہے۔ ان مجسموں کی تعداد 250 سے زائد ہے جو دیکھنے میں بالکل حقیقی لگتے ہیں۔ ہندوستان کی کئی مشہور شخصیات کے مجسمے ہیں جن میں مہاتما گاندھی، امیتابھ بچن، مدھو بالا، سلمان خان، شاہ رخ خان، سچن تینڈولکر، نریندر مودی وغیرہ شامل ہیں۔

سینٹ پال چرچ کی قدیم عمارت تقریباً 1400 سال پہلے تعمیر ہوئی تھی۔ 1675 میں اسے نئے سرے سے بنایا گیا۔ جب بادشاہ ہنری VIII نے پوپ کی جگہ خود کو چرچ کا نگراں بنانے کا اعلان کیا۔ یہ ایک بڑے گنبد والی خوبصورت عمارت ہے۔ اس کی لمبائی 158 میٹر اور چوڑائی 75 میٹر نیز اونچائی 111 میٹر ہے۔ اسے اندر سے دیکھنے کے لیے ٹکٹ لینا پڑتا ہے جس کی قیمت تقریباً 1800 روپے ہے۔

■

Dr. Mohd Zahid
B-5, Prince
Delawarjaho
Kolkata - 24 (West Bengal)
Mob.: 8697194075

مضمون

وسیم سعید

کہیں کھو رہا ہے نونہالوں کا معصوم بچپن

کرۂ ارض پر ایک ننھے پودے کو نمودار ہوئے ابھی کچھ وقت ہی ہوا تھا کہ اس پودے کے بیج بونے والے افراد اُس سے پھل، پھول اور خوشبو کی تمنا کرنے لگے۔ کیا ایسا ممکن ہوسکتا ہے؟ نہیں نا۔ٹھیک بالکل اسی طرح موجودہ ترقی یافتہ دور کے والدین اور سرپرست اپنے ننھے اور معصوم بچے سے ایسی ہی اُمیدیں، خواہشیں اور توقعات کرتے ہیں کہ وہ بھی جلد سے جلد عصری علوم حاصل کر کے اپنا مستقبل روشن اور تابناک بنالیں۔اس کے لیے دورِ حاضر کے والدین اور سرپرست اپنے تین سالہ بچے کو جو ابھی ٹھیک سے بولنا ہی نہیں سیکھا اس پر دنیاوی تعلیم کا بوجھ ڈالنا شروع کردیتے ہیں۔ اُسے تلفظ کی ادائیگی کی ترغیب دیے بغیر ہی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کی تعلیم دینے کو مقصد بنالیتے ہیں۔ ابھی بچہ والدین کے علاوہ خاندان کے دیگر افراد سے اچھی طریقے سے متعارف نہیں ہوا تھا کہ اسے غیر مانوس مقام یعنی کانوینٹ اسکول بھیجنے کی تیاری پر عمل مکمل کرلیتے ہیں۔

تین سال کے ماجد کو اس کی امی جبراً سکھارہی ہے۔ جانی جانی یس پاپا... ماجد بے توجہی برت رہا تھا کیونکہ اس کا دھیان پڑھنے کی بجائے باہر کھیل رہے بچوں کی جانب تھا۔وہ اٹھ کر باہر کھیل رہے بچوں کے درمیان جانا اور اُن کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا۔لیکن اس کی امی جان ہاتھ پکڑ کر بیٹھا لیتی ہے اور اُسے ڈانٹتی بھی ہے۔ارے! پڑھے گا نہیں تو داخلہ کیسے ملے گا کانوینٹ اسکول میں...

آج کا ترقی یافتہ دور مقابلے بازی یا مقابلہ آرائی اور مسابقت کا زمانہ ہے۔ تمام والدین اور سرپرست حضرات کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کا بچہ مقابلے میں سب سے آگے رہے۔ یوں کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ ایک طرح سے والدین اور سرپرست اپنی خواہشوں کو بچوں پر تھوپنے پر مجبور ہیں۔ کچھ والدین اور سرپرست جو اپنی زندگی میں اپنا مقصد نہ پاسکے تھے اُسے اپنے بچوں کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جیسے وہ خود ڈاکٹر، انجینئر، وکیل نہ بن پائے تو اپنے

بچوں کو انھیں شعبوں میں داخلے کے لیے ترغیب دیں گے بلکہ بعض والدین تو زور زبردستی کے ذریعے انھیں مجبور بھی کریں گے کہ انھیں ان ہی شعبوں کا انتخاب کرنا ہے۔ بچوں کا مستقبل شاندار ہو اس کے لیے والدین اور سرپرست دو یا تین سال کے بچوں کو اسکول میں داخل کرنے کی دوڑ میں لگ جاتے ہیں۔ انھیں اے، بی، سی، ڈی اور دیگر چیزیں یاد کرانا اور رٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ تین اور چار سال کے بچے کلو بھر کتابیں اور بیاضوں کا وزن اُٹھا کر اسکول جاتے ہیں۔ جنھیں ٹھیک سے کھانے پینے کا شعور بھی نہیں ہوتا ہے۔

ذرا ماضی میں جا کر اُس زمانے کو یاد کیجیے جب بچے دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ کو گھیر کر کہانیاں اور قصے سننے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ وہ کتنی چاہت، اُمنگ دلچسپی، لگاؤ اور ادب کے دائرہ میں رہ کر کہانیاں اور قصے سنتے تھے اور ان کہانیوں وقصوں کا مزہ اور لطف لیتے تھے۔ رات آنے کا بے صبری سے انتظار کرتے تھے۔ بڑے بزرگ بھی بڑی چاہ اور لگن سے کہانیاں سناتے تھے۔ اس عمل سے انھیں راحت، مسرت اور روحانی تسکین محسوس ہوتی تھی اور ان کا بوڑھاپے کا وقت بھی اچھا گزرتا تھا۔ بے شک زیادہ تر سنائی جانے والی کہانیاں بناوٹی، من گھڑت اور خود کی تخلیق شدہ ہوتی تھیں جیسے راجا رانی، بھوت وپریوں، پہاڑوں اور جنگلوں میں بسنے والے پرندوں اور جانوروں کی کہانیاں وغیرہ لیکن پھر بھی ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی پیغام اور درس ضرور ہوتا تھا۔ کہیں برائیوں پر اچھائی کی جیت، کہیں ہمت، بہادری، حوصلے، صبر، مشکل وقت پر خود پر قابو پانے کا سبق ضرور حاصل ہوتا تھا وغیرہ۔ بچوں کو کہانیاں سننے کا ایک جنون اور نشہ سا سوار ہوتا تھا۔ اس بہانے وہ گھر کے بزرگوں سے منسلک رہتے تھے اور اپنا زیادہ تر وقت گھروں میں ہی گزارتے تھے۔ بڑوں اور بزرگوں کی نصیحتوں اور ہدایتوں پر عمل بھی کیا کرتے تھے۔

موجودہ دور موبائیل اور انٹرنیٹ کا دور کہلاتا ہے جہاں بچوں کو ٹی وی، موبائیل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ اور انٹرنیٹ سے فرصت نہیں ملتی۔ انھیں دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ کے پاس جانے اور تھوڑی دیر بیٹھنے اور ان سے بات کرنے کا وقت نہیں۔ ایسے دور میں کہانیاں سننے کی بات تو اب خواب سی ہوگئی ہے۔ دورِ حاضر میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھائی سے منسلک کرنے کے لیے ٹی وی، موبائیل، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی جانب ڈھکیل دیا جاتا ہے۔ ان کے معصوم اور بھولے بھالے دل اور دماغ میں اُٹھ رہے خیالات وتصورات کے رنگ برنگے خوابوں کو جنم لینے سے پہلے ہی تہس نہس کر کے اپنی خواہشوں اور تمناؤں کو ان پر ڈال کر انھیں مقابلہ آرائی کی دوڑ میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ سوتے جاگتے ”پڑھو، پڑھو“ کا نعرہ اور سیر وتفریح کے نام پر ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ آج کے دور میں آنکھ مچولی، پکڑا پکڑی، لنگڑی، کنچے، گلی ڈنڈا وغیرہ جیسے شرارتی اور تفریحی لمحات سے بھرپور، ہلکی جسمانی ورزش والے تمام کھیل بیتے زمانے کی باتیں بن چکے ہیں۔ باغ باغیچوں میں کھیلنا، تتلیوں کے پیچھے دوڑنا، جھولا جھولنا، گھسر پٹی، چکری پر بیٹھنے کے لیے نمبر لگانا، لڑنا جھگڑنا اب نظر نہیں آتا۔ یہ تمام چیزیں ماضی میں کہیں گم ہوچکی ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اب صرف ٹی وی، موبائل اور لیپ ٹاپ کی اسکرین پر دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ موجودہ دور کے بچوں کو دیکھو تو صرف موٹے موٹے چشمے لگائے، کتابوں کے ڈھیر سے گھرے یا ٹی وی اور موبائل میں ہی مشغول نظر آتے ہیں۔

بچپن کا دور سنہری دور کہلاتا ہے۔ اگر اسے مٹی کا دور کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ مٹی سے انسان کا اٹوٹ رشتہ

ہے۔انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور دوبارہ اُسے مٹی میں ہی لوٹ کر جانا ہے۔ اس لیے والدین سے گذارش ہے کہ اپنے بچوں کو مٹی اور قدرت کے مناظر سے دور نہ کیجیے کیونکہ مٹی سے دور کرنا ان کی صحت کو خراب کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے اپنے ننھے اور معصوم بچوں کو مٹی اور مٹی کے بنے ہوئے کھلونے دیجیے۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں مٹی کے کھلونے کی بجائے الیکٹرانک کھلونے نہ دیجیے۔ اس سے ان کی صحت پر مضر اثرات پڑتے ہیں۔ موجودہ دور میں آج گھروں سے مٹی کو ختم کردیا گیا ہے۔ گھروں کے اطراف میں مٹی نظر نہیں آتی۔ کھیل کے میدان بھی دور دور تک نظر نہیں آتے۔ مٹی میں شامل لوہے اور دیگر معدنیات سے اُن کی صحت میں پختگی آتی ہے۔ انسان کتنے ہی بلند مقام، مرتبے یا کسی بھی عمر کو پہنچ جائے لیکن ضرور کبھی کبھار مٹی میں کھیلے ہوئے بچپن کی شرارتوں سے مزین معصوم وسہانی یادیں اس کی آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ پڑتی ہیں اور انسان ایسی وادیوں میں گم ہوجاتا ہے جن سے واپس لوٹنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ اس لیے انگریزی کے مشہور شاعر جان ملٹن نے تو بچپن کو ’جنتِ گمشدہ یعنی کھوئی ہوئی جنت کہا ہے‘۔

بچپن کی حسین یادیں تاعمر انسان کے دل ودماغ کے نہاں خانوں میں جگمگاتی رہتی ہیں۔ بچپن کہنے کو تو صرف چار حروف پر مشتمل ہے۔ لیکن ان حروف میں خدا جانے کیا کچھ چھپا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارش کا پانی

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ دور کے والدین اور سرپرست بڑی بے دردی اور بے رحمی سے اپنے معصوم بچوں کا بچپن چھین رہے ہیں اور وقت سے پہلے انھیں بالغ بنایا جارہا ہے۔ بچپن کا زمانہ بڑی نایاب اور انمول شے ہے۔ یہ دور انسان کی وہ قیمتی چیز ہے جس کے کھو جانے کا غم انسان کو ہمیشہ ستاتا رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کا بچہ بڑا ہوکر اپنے بچپن کو یاد کرے تو اُسے بچپن نظر ہی نہ آئے۔ اور اپنے بچپن کی یادوں کا تذکرہ کرے تو آپ کے بچوں میں اپنے تئیں پیار ومحبت ہونے کی بجائے غم وغصہ اور نفرت پروان چڑھے۔ اس میں والدین سے لے کر اشتہاراتی میڈیا، معلم اور دیگر تمام لوگ منسلک ہوکر گنہگار بن رہے ہیں۔ ہر انسان کو اپنی زندگی کے تمام مرحلے کو اپنی مرضی اور من چاہ طریقے سے جینے کا، ان کا بھرپور لطف اُٹھانے کا حق حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عطا کیا ہے۔ ہم کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کا حق اُس سے چھینیں۔ پھر آج ان معصوم بچوں سے ان کا سنہرا دور یعنی بچپن اور لڑکپن کیوں چھینا جارہا ہے۔ میری اُن والدین اور سرپرست حضرات سے مودبانہ درخواست ہے کہ جس طرح کلی کھلنے کے بعد فوراً پھول نہیں بنتی اسی طرح کلی کو کھلنے سے پہلے مرجھانا کسی کو پسند نہیں۔ تو بالکل اسی طرح اپنے بچوں کو کلی بننے سے پہلے کیوں مرجھا رہے ہو۔ تمام والدین اور سرپرست حضرات کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کے چہرے کی بھولی بھالی، معصوم مسکراہٹ کو برقرار رکھنا سیکھیں۔ یہ ان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس معاملے میں والدین کو ہوشیار رہنا اور دوراندیشی سے کام لینا ضروری ہے تاکہ بچوں کا مستقبل روشن ہونے کی بجائے تاریک نہ ہوجائے۔

■

Waseem Sayeed
Gujri Bazar, Near Maqsood Hotal ke Pass
Kamptee- 441001
Distt.: Nagpur (Maharashtra)
Mob.: 7620594269

محمد اکرام

والدین کا ترغیبی عمل اور بچے

موجودہ عہد جدید ٹیکنالوجی اور ترقیات کا ہے۔ آج کے بچوں میں اخذ و اکتساب کی صلاحیت بہ نسبت پہلے کے بچوں کے بہت زیادہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ٹیکنالوجی کا استعمال بہتر انداز میں کرتے ہیں اور ان سے بھرپور فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ آج تقریباً ہر گھر میں ٹی وی، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، انٹرنیٹ، اینڈرائڈ موبائل وغیرہ موجود ہیں۔ ان کے استعمال سے بچے جہاں اپنے اسکول کا کام پورا کرتے ہیں اور دنیا و جہان کی معلومات حاصل کرتے ہیں تو دوسری جانب کارٹون، گیمز اور ہر طرح کے تفریحی پروگرام سے بھی لطف اٹھاتے ہیں۔

موبائل تو بچوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہے، ان کا استعمال تقریباً ہر عمر کے بچے کرتے ہیں۔ کورونا اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے تو ان کا استعمال مزید بڑھ گیا ہے، کیونکہ اسکول بند ہونے کے سبب بچوں کی پڑھائی کا ذریعہ بس یہی موبائل ہیں۔ کچھ بچے تو موبائل کا استعمال پڑھنے، لکھنے اور اپنے علم میں اضافے کے لیے کرتے ہیں مگر بہت سے بچے موبائل اور انٹرنیٹ کا بیجا استعمال بھی کرتے ہیں۔ ایسے میں بچے کی صحیح رہنمائی، تعلیم و تربیت اور درست اخلاق و عادات کے تئیں والدین کی ذمے داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ ضروری ہے کہ والدین ٹیکنالوجی کے فوائد اور نقصانات کے مابین فرق کو سمجھائیں اور اس کے بہتر استعمال سے ان کے کیریئر پر کس طرح کے مثبت اثرات نمایاں ہوں اس سے بھی واقف کرائیں کیونکہ بچے قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ ولادت کے بعد بچے کا پہلا اسکول ماں کی گود ہی ہے، اس لیے بچہ وہی کچھ سیکھتا ہے جو ماں اسے سکھاتی ہے۔ ماہرین کا ماننا ہے کہ ابتدائی پانچ سال تک بچوں میں سیکھنے کی رفتار بہت زیادہ ہوتی ہے، ایسے میں والدین کو خاص طور پر بچے کی نگہداشت کرنی چاہیے کیونکہ ہر والدین کا یہ خواب ہوتا ہے کہ ان کا بچہ آگے چل کر ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ بنے۔ اس خواب میں حقیقت کا رنگ بھرنے میں سب سے اہم کردار والدین کا ہی ہوتا ہے۔ اس لیے عموماً یہ دیکھا بھی گیا ہے کہ بعض والدین بچوں کے کیریئر اور مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے شروع سے ہی کوشاں نظر آتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ والدین کی کوششوں سے ہی بچے کو مستقبل کی مشکل راہ روشن نظر آسکتی ہے۔

موجودہ عہد میں والدین کو بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی

خاطر مختلف چیلنجز کا سامنا ہے۔ گھر، اسکول اور کھیل کود جیسے مقامات پر بچے کی یکساں نگہداشت ایک مشکل مرحلہ ہے۔ جو والدین پڑھے لکھے اور سمجھدار ہوتے ہیں وہ ان چیلنجز کا مقابلہ بخوبی کر پاتے ہیں، مگر بہت سے والدین کم پڑھے لکھے ہوتے ہیں، جس کی بنا پر انھیں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس تعلق سے کچھ ضروری نکات کی طرف والدین کی توجہ بہت ضروری ہے۔ بنیادی امر یہ ہے کہ گھر میں بچے کو خوشگوار ماحول فراہم کیا جائے، والدین اپنے بچوں میں کسی قسم کا امتیاز نہ برتیں، کچھ بچے بہت ذہین ہوتے ہیں تو کچھ کم، ان میں موازنے سے گریز کریں، اگر آپ کا بچہ ابھی اسکول جانے کی عمر کو نہیں پہنچا ہے اور آپ اسے گھر پر ہی تعلیم دے رہے ہیں تو بچے کو سمجھانے کے لیے ایسی کتابوں کا استعمال کریں جن میں تصاویر ہوں، کیونکہ تصاویر کے ذریعے بچوں کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی طرح جب بچے اسکول جانے لگیں، تو گھر واپسی کے وقت اسکول میں پڑھائے گئے اسباق کے بارے میں اور ان کے ہوم ورک اور اسائنمنٹ کے جانکاری حاصل کرنا بھی ضروری ہے، اگر بچے کو کہیں دشواری پیش آ رہی ہے تو اس کی رہنمائی کریں، بچے جب پانچویں یا چھٹی کلاس میں پہنچ جائیں تو انھیں اسکول میں ہونے والے پروگرام، مقابلوں اور کھیلوں میں حصہ لینے کی ترغیب دلائیں۔

جب بچے مڈل یا ہائی اسکول میں پہنچ جائیں تو انھیں ان کے سبجیکٹ کے فائدے بتانا اور انھیں یہ سمجھانا بھی ضروری ہے کہ اس موضوع کو اپنا کر وہ اپنے مستقبل کو کس طرح تابناک بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح بورڈ کے جب امتحانات قریب آئیں تو والدین بچوں پر پڑھائی کا زیادہ بوجھ نہ ڈالیں، حسب استطاعت انھیں پڑھنے کی تلقین کی جائے۔ان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ان کی مشکلات کو کم کرنے کی تدبیر اور امتحان میں اچھے رزلٹ لانے کے مثبت طریقے بتائے جائیں۔ کچھ بچے امتحان کے نام سے خوف کھاتے ہیں، والدین کو چاہیے کہ انھیں امتحان گاہ تک پہنچائیں اور ان کے دلوں سے خوف کو دور کریں۔ ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے امتیازی نمبرات سے پاس ہوں، اچھے نمبرات کی خاطر چوری اور نقل کے نقصانات سے ضرور آگاہ کریں۔ اگر بچے کا رزلٹ ان کے مطابق نہ آئے تو بھی بچوں کو ڈانٹنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انھیں یہ نصیحت کرنی چاہیے کہ بیٹے دیکھو آپ کی کلاس میں جو بچے اچھے نمبرات سے پاس ہوئے ہیں، ان سے آپ مشورے کریں اور سیکھنے کی کوشش کریں۔ جب بچے گیارہویں کلاس میں پہنچ جائیں اور انھیں سبجیکٹ طے کرنے میں دشواری پیش آئے تو اس میں رہنمائی کریں۔ اگر سبجیکٹ کی مکمل جانکاری والدین کو بھی نہیں ہے تو کسی ماہر تعلیم سے مشورہ بہتر ہے۔ بارہویں کلاس کے اگزام سے پہلے بچوں کو اسکول اور یونیورسٹی کے فرق کو سمجھائیں اور بچوں کو یہ بتائیں کہ اگر بارہویں میں آپ اچھے نمبرات لاتے ہیں تو آپ اپنی پسند کے سبجیکٹ خود چن سکتے ہیں۔

بارہویں کے بعد زیادہ تر یونیورسٹیز کے پروفیشنل کورسز میں داخلے کے لیے کمپی ٹیشن ضروری ہوتا ہے، ایسے میں والدین کو چاہیے کہ کمپی ٹیشن کی تیاری کے طریقے بتائیں اور اس راہ میں آنے والی دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ان سب کے باوجود اگر بچہ کامیاب نہیں ہو پاتا اور ناکامی سے وہ اداس رہنے لگتا ہے تو والدین کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بچے کو اداسی سے نکلنے کا راستہ بتائیں اور یہ تلقین کریں کہ بیٹا! اداس مت ہو، حوصلہ رکھو، راستے آپ کے لیے ابھی بند نہیں ہوئے ہیں، خوب محنت کرو، ان شاء اللہ آنے والا وقت آپ کا ہوگا۔ اگر کسی کے والدین حکومت کے اعلیٰ منصب پر

فائز ہیں اور اپنے بچے کو اپنے جیسا ہی دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن بیٹا ان سب کے علاوہ کچھ اور ہی راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے، تو ایسے میں والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو مجبور نہ کریں، انھیں ان کی پسند کی منزل طے کرنے میں ان کی مدد کریں۔

اسکول میں بچے کی بہتر تعلیم اور تربیت کی خاطر والدین کو ہمیشہ حساس اور بیدار رہنا چاہیے کیونکہ گھر میں صرف والدین بھائی، بہن ہی ہوتے ہیں مگر اسکول میں ہر قسم کے بچے ہوتے ہیں، ان میں کچھ اچھے ہوتے تو کچھ برے۔ ایسے میں والدین بچے میں غلط ماحول کے اثرات دیکھیں تو اس سے وجہ دریافت کریں، اور یہ سمجھائیں کہ بیٹا آپ غلط بچوں کے ماحول سے اجتناب برتیں، اچھے اور ذہین بچوں کی صحبت اختیار کریں۔ کبھی کبھار والدین خود اسکول جائیں، اسکول میں بچے کی حاضری، کلاس میں پڑھائی، استاد کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی، اور اسکول سے متعلق دیگر سرگرمیوں کی جانکاری استاد سے حاصل کریں، اگر استاد کی طرف سے کوئی شکایت ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اسکول میں PTA جیسے پروگرام میں والدین ہر حال میں شریک رہیں۔

تعلیم کے ساتھ بچوں کے لیے کھیل کود اور تفریح بھی ضروری ہے کہ اس سے ذہن تازہ اور جسم صحت مند اور توانا رہتا ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو کھیل کود سے نہ روکیں، بلکہ اگر ان کے پاس وقت ہے تو انھیں خود پارک میں لے کر جائیں اور انھیں کھیل کود کا مزہ لینے دیں۔ لیکن موجودہ دور میں والدین اور بچے دونوں کے پاس وقت کی کمی ہے۔ ابو صبح سویرے آفس یا تجارت کے لیے نکل جاتے ہیں پھر شام یا رات کو ہی گھر واپس ہوتے ہیں۔ اسی طرح بچے بھی صبح سویرے اسکول پہنچ جاتے ہیں۔ دوپہر اسکول سے آنے کے بعد ٹیوشن یا کوچنگ کلاسز پر چلے جاتے ہیں۔ اپنے اپنے کام سے دونوں اس قدر تھک جاتے ہیں کہ انھیں ایک دوسرے کی ذمے داریوں کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ بعض گھروں میں تو ماں باپ دونوں ملازمت کرتے ہیں۔ ایسے میں بچے خود کو تنہا محسوس کرتے ہیں، اور ان کے مزاج میں چڑچڑاپن آ جاتا ہے۔ ایسے میں والدین خاص کر باپ کو چاہیے کہ کام سے فراغت کے بعد گھر پہنچنے پر بچوں سے حال چال دریافت کریں، ان کے ساتھ بات چیت کریں، اپنے ساتھ بٹھا کر کوئی تفریحی پروگرام بھی دکھائیں، اور اس کے متعلق اس سے سوالات بھی کریں۔

ذہنی تھکاوٹ کو دور کرنے کے لیے چھٹیوں کے اوقات بچوں کے ساتھ ہی گزاریں، تفریح کے دوران بچے کی ذہنی سطح کی آزمائش کے لیے آپ ریاضی، سائنس اور سماجی علوم جیسے سبجیکٹ سے سوالات بھی کریں، اور ان موضوعات کے فائدے بھی سمجھائیں۔ سائنس کے میدان میں آپ آسمانی اجسام جیسے سورج، چاند، ستارے کی ضرورت اور اہمیت کے بارے میں واقف کرائیں، بچے کو اپنی حفاظت کے لیے طوفان، آگ، زلزلہ جیسے آفات کے بچنے کے طریقے بتائیں۔ کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، موبائل، انٹرنیٹ کے استعمال کے فوائد سے آگاہ کریں، ساتھ ہی ان کے غلط استعمال سے کیریئر اور صحت پر پڑنے والے مضر اثرات کا بھی ذکر کریں۔ یہ تمام خوبیاں ایک بہتر ماپ باپ کے اندر ہی پائی جاتی ہیں۔ اس لیے اگر آپ اپنے بچے کا مستقبل روشن اور تابناک دیکھنا چاہتے ہیں، تو آپ کو اپنی زندگی بچوں کے لیے وقف کرنی ہوگی کیونکہ بچہ آپ کو صرف باپ کی حیثیت سے جانتا ہے، اسے آپ کے عہدے اور رتبے سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ ان کے حوصلے کو ٹوٹنے نہ دیں اور انھیں یہ احساس دلائیں کہ بچو! ہمیشہ ہم تمھارے ساتھ کھڑے ہیں۔ اس موقعے پر مجھے جون ایلیا کی بیٹی فینانہ فرنام کا لکھا ہوا مضمون

'جون ایلیا: تصویر کا دوسرا رخ' یاد آ گیا جسے انھوں نے اپنے باپ کی انیسویں برسی کے موقعے پر لکھا تھا۔ اس مضمون میں ایک باپ کی اپنے بچوں کے تئیں کیا ذمے داریاں ہوتی ہیں اس کا احساس دلایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ بچے کا اپنے باپ سے جو جذباتی رشتہ ہوتا ہے اس کی قدر باپ کو بھی کرنی چاہیے کیونکہ وہ اپنی زندگی میں کتنے بھی بڑے منصب پر فائز ہوں وہ اپنے بچوں کے لیے صرف باپ ہوتے ہیں۔ اس مضمون کا یہ اقتباس بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں:

''میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ ابو کے مداح ابو کے بچوں سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ہم ابو کو سرکار، مرشد جون ایلیا سمجھیں، ہم ان کے چاہنے والوں کو کیسے سمجھائیں کہ ہمارے لیے وہ فقط باپ تھے، ہمیں ان سے صرف محبت اور شفقت چاہیے تھی، ایک اولاد اپنے باپ سے اتنا تو چاہ ہی سکتی ہے، باپ شاہ ہو یا گدا، اولاد کے لیے صرف باپ ہوتا ہے؟ ہم تینوں بھی صرف اپنے باپ سے ان کی محبت چاہتے تھے۔'' (قندیل ڈاٹ کام، 9 نومبر 2021)

موجودہ عہد میں بچوں کے تعلق سے والدین کی سوچ میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے سامنے کوئی ایسا عمل نہ کریں جس کے منفی اثرات بچوں پر پڑیں۔ کبھی کبھار بچوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ بھی ضروری ہے، کہ اس طرح کے برتاؤ سے بچے اور والدین دونوں ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔

پرانے زمانے میں والدین بچوں کے تعلق سے بہت حساس ہوا کرتے تھے، ان کے ہر عمل پر والدین کی کڑی نظر رہتی تھی۔ گاؤں میں تو یہ بھی چیزیں دیکھنے میں آتی تھیں کہ بلا ضرورت مغرب کے بعد بچے گھر سے باہر جانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی بچہ بلا ضرورت رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر ٹہلتا گھومتا پایا جاتا تو اس کی سخت سرزنش کی جاتی اور اس سے توبہ یا عہد کرایا جاتا کہ اس طرح کا عمل دوبارہ سرزد نہ ہو۔ گویا والدین بچوں کے عادات و اطوار کو سدھارنے کے لیے برابر کوشش کرتے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے والدین کی عزت کے ساتھ ان کا ادب و احترام کرتے تھے، ہمیشہ یہ خیال رکھتے کہ میری کسی بات یا کسی عمل سے والدین کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ بعض دفعہ تو ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر ابو گھر کے باہر بیٹھے ہوئے ہیں تو بچے ان کے سامنے سے گزرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے، کہ کہیں یہ سوال نہ کر لیا جائے کہ کہاں جا رہے ہو؟

پیارے بچو! والدین کی پوری زندگی اپنے بچوں کے لیے وقف ہوتی ہے۔ ان کی بھاگ دوڑ آپ کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے ہوتی ہے۔ وہ ہر پل بس آپ کے لیے جیتے ہیں اور آپ ہی کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اس لیے پیارے بچو! آپ کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ اپنے والدین کے احسانات کو سمجھیں، ان کے ہر اچھے مشورے کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیں، ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے آپ کبھی ناراض نہ ہوں، ان کے کہنے کے مطابق ہی اپنا راستہ متعین کریں، کیونکہ والدین کے بتائے ہوئے راستے ہمارے لیے کامیابی کا زینہ ثابت ہوں گے۔ والدین کی باتوں پر عمل کر کے ان شاء اللہ آپ ہمیشہ خوش رہیں گے اور سکون محسوس کریں گے۔

والدین اور بچے، دونوں نئے سال میں یہ عہد کریں کہ ہم اپنی اپنی ذمے داریوں کو سمجھیں گے اور اسے نبھانے کی حتی الامکان کوشش کریں گے، اسی میں دونوں کے لیے بھلائی اور کامیابی ہے۔

■

Mohd Ikram
89/6A, Street No.: 1
Ghaffar Manzil, Jamia Nagar
Okhla, New Delhi- 110025

حیدر بیابانی

نظم

نام ہے کیا؟

بلّی سے جب ہم نے پوچھا............،
بلّی تیرا نام ہے کیا؟
بلّی بولی ''میاؤں میاؤں''

کوّے سے جب ہم نے پوچھا............،
کوّے تیرا نام ہے کیا؟
کوّا بولا ''کاؤں کاؤں''

کتّے سے جب ہم نے پوچھا............،
کتّے تیرا نام ہے کیا؟
کتّا بولا ''بھوں بھوں بھوں بھوں''

چڑیا سے جب ہم نے پوچھا............،
چڑیا تیرا نام ہے کیا؟
چڑیا بولی ''چوں چوں چوں چوں''

مکھی سے جب ہم نے پوچھا............،
مکھی تیرا نام ہے کیا؟
مکھی بولی ''بھن بھن بھن بھن''

گھوڑے سے جب ہم نے پوچھا............،
گھوڑے تیرا نام ہے کیا؟
گھوڑا بولا ''ہن ہن ہن ہن''

طوطے سے جب ہم نے پوچھا............،
طوطے تیرا نام ہے کیا؟
طوطا بولا ''ٹیں ٹیں ٹیں ٹیں''

بکری سے جب ہم نے پوچھا............،
بکری تیرا نام ہے کیا؟
بکری بولی ''میں میں میں میں''

کویل سے جب ہم نے پوچھا............،
کویل تیرا نام ہے کیا؟
کویل بولی ''کوہو کوہو''

ہم نے پوچھا بتا پپیہے.................،
کیا ہے تیرا نام کوئی؟
وہ بولا کہ ''پیہو پیہو''

[جون 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف شائع ہوچکا ہے۔]

■

Hyder Bayabani
Basera
Achalpur - 444806 (Maharashtra)

آئی سردی

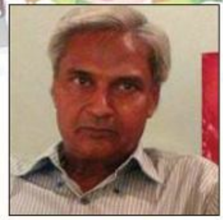

راشد جمال فاروقی

راشد جمال فاروقی کا تعلق عمری کلاں ضلع مراد آباد سے ہے۔ انھوں نے روہیل کھنڈ یونیورسٹی اور گڑھوال یونیورسٹی سے اردو، ہندی اور انگریزی میں ایم اے ڈگریاں حاصل کیں۔ رشی کیش دہرہ دون کے گورنمنٹ انٹر کالج میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے 35 سال تک خدمات انجام دیں۔ ان کی شاعری کا ایک مجموعہ 'کاغذی ناؤ ہماری بھی' ادبی حلقے میں بہت مقبول ہوا۔ مختلف رسائل وجرائد میں ان کی شاعری اور تنقیدی تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں۔ بچوں کے رسائل ماہنامہ امنگ اور بچوں کی دنیا میں چھپتے رہے ہیں۔

آئی سردی آئی سردی
اسے کسی سے کیا ہم دردی
آئی سردی آئی سردی
اُونی سُوٹ نہیں تو بس
مفلر بُوٹ نہیں تو بس
کانپتے رہیے صبح و شام
اِس کو اپنے کام سے کام
دست و بازو سب کے شل ہیں
سب بے بس ہیں سب بیکل ہیں
ہڈی کے گودے میں گھس کر
ٹھنڈک نے تو حد ہی کردی
آئی سردی آئی سردی
اِسے کسی سے کیا ہم دردی
ٹوپی سے نہ ٹائی سے ہے
ڈرتی صرف رضائی سے ہے
بوڑھوں کی تو دشمن ہے یہ
بیماروں کی الجھن ہے یہ
پھر چہروں پر چھائی زردی
آئی سردی آئی سردی
اسے کسی سے کیا ہم دردی
آؤ بھائی آگ تاپیے
ورنہ پھر تھر تھر ہی کانپیے
سورج بھی اس سے ڈرتا ہے
ہاتھ جوڑ وِنتی کرتا ہے
کہرے نے آکاش چھپایا
پالے نے کھیتوں کو ستایا
موسم کی دیکھو بے دردی
آئی سردی آئی سردی
اسے کسی سے کیا ہم دردی

■

Rashid Jamal Farooqui
C-6, First Floor
Thokar No: 8, Shaheen Bagh
New Delhi - 110025
Mob.: 9868768655, 9456753096

خلیق الزماں نصرت

نظم

اپنا رستہ اپنی منزل

الف:

اپنا رستہ اپنی منزل
پگ پگ آساں پگ پگ مشکل
پھیلا ہو جب دور دور تک ہر جانب اندھیارا
کام نہیں آسکتا ہرگز مانگے کا اجیارا
ہم کو تو اچھی لگتی ہے اپنی شمع اپنی محفل
اپنا رستہ اپنی منزل

پانی سے یاری کی ہے تو لہروں سے کیا ڈرنا
طوفانوں سے لڑتے بھڑتے ہوگا پار اترنا
ہمت والوں کو کافی ہے اپنی کشتی اپنا ساحل
اپنا رستہ اپنی منزل

دھیرے دھیرے بن جاتی ہے ہمدردی بیماری
بیساکھی لگنے لگتی ہے اپنے پاؤں کو پیاری
جب یہ عادت پڑجاتی ہے ہوجاتا ہے انساں بزدل
اپنا رستہ اپنی منزل

ب:

ساتھ خوشی کے غم پلتے ہیں
دیپ ہواؤں میں جلتے ہیں
اس کے علاوہ جیون کیا ہے
پھول اور کانٹوں کا گلدستہ
اپنی منزل اپنا رستہ

ہم نے مانا راہ کڑی ہے
دھوپ سے لیکن چھاؤں بڑی ہے
وقت نہیں رہتا اک جیسا
اک پل مہنگا اک پل سستا
اپنی منزل اپنا رستہ

■

Khaliquzzaman Nusrat
Flat No-15, BNo-04
Sai Nagar Colony
Bhiwandi-321302(Maharashtra)

موسم سرما آیا ہے

مناظر حسن شاہین

مناظر حسن شاہین کا تعلق گیا (بہار) سے ہے۔ کئی برسوں تک تدریس سے جڑے رہے۔ اب سبکدوش ہو چکے ہیں لیکن ادبی سرگرمیاں ہنوز جاری ہیں۔ انھوں نے شاعری کا آغاز 1973 میں کیا تھا۔ ان کے دو شعری مجموعے دہلیز کا چراغ اور ہنر تیشے کا شائع ہو چکے ہیں جب کہ ایک مجموعہ آئینہ بازار زیر ترتیب ہے۔ بڑوں کے ساتھ بچوں کے لیے بھی لکھتے رہے ہیں۔ ان کے مضامین اور نظمیں ہند و بیرون ہند کے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

زمانے کی فضا پر چھا گیا ہے
گئی برسات، جاڑا آگیا ہے
ابھی ہے دھوپ کے چہرے پہ زردی
ابھی آغاز ہے کم کم ہے سردی
نومبر میں ذرا سوتا ہے جاڑا،
دسمبر میں جواں ہوتا ہے جاڑا
رکھے تھے بکس میں جو گرم کپڑے
نکل آئے ہیں سب اک ایک کرکے
رضائی کو بدن سے دور پھینکیں
چلو، چھت پر گلابی دھوپ سینکیں
مربّہ آملے کا، گھی کا جلوہ
ابھی تیار ہے گاجر کا حلوہ
گری، کاجو، چھوہارے اور بادام
یہ سب جاڑے میں ہیں، قدرت کے انعام
ملے گا کامیابی کا خزینہ
بہائیں خوب محنت کا پسینہ
ہیں دن چھوٹے اگر راتیں بڑی ہیں
سو، خوابوں سے ملاقاتیں بڑی ہیں
عزیزو! موسمِ صحت ہے جاڑا
سنو، اللہ کی رحمت ہے جاڑا

■

Manazir Hasan Shaheen
Makan No.: 60, Millat Colony
Gaya - 823001
Mob.: 9661214111

نظم

پانی

خواجہ کوثر حیات

خواجہ کوثر حیات کا تعلق اورنگ آباد مہاراشٹر سے ہے۔ انھوں نے اورنگ آباد کالج فار وومین سے بی اے اور مانو حیدرآباد سے انگریزی میں ایم اے کیا ہے۔ فاطمہ اردو اسکول کراڑپورہ اورنگ آباد سے بہ حیثیت صدر معلمہ وابستہ ہیں۔ بچوں کے لیے تربیتی مضامین تحریر کرتی رہی ہیں۔ سوشل میڈیا پر بھی متحرک اور فعال ہیں۔ ان کی دو کتابیں زیرِ طبع ہیں۔ مختلف تنظیموں اور اداروں کی جانب سے ان کی تعلیمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈز مل چکے ہیں۔

پانی تری کہانی
دنیا میں جاودانی
تجھ سے حیات قائم
تجھ سے ہے زندگانی

کھیتی جو لہلہائے
دہقاں بھی مسکرائے
خوش ہو کے ہل چلائے
خوشیوں کے گیت گائے
پھر تیری لو لگائے
دیکھے دھنک دھانی
پانی تری کہانی
دنیا میں جاودانی
تجھ سے حیات قائم
تجھ سے ہے زندگانی

شوخی، تری شرارت
اور موسموں میں راحت
خوش ہو کے چلنا پھرنا
خلقِ خدا کی بابت
تجھ سے رواں یہ دریا
اور کشتی بادبانی
اور لطفِ گلہ بانی
پانی تری کہانی
دنیا میں جاودانی
تجھ سے حیات قائم
تجھ سے ہے زندگانی

سیپی میں ہو تو موتی
پھولوں پہ بن کے جوتی
دریا میں ہے روانی
تیری ادا نرالی
بن کر یہ اشک نکلے
غم میں ہو یا خوشی میں
پانی تری کہانی
دنیا میں جاودانی
تجھ سے حیات قائم
تجھ سے ہے زندگانی

کیسا طلسم ہے یہ
دن ہو کہ رات کالی
صحرا ہو یا کہ گلشن
دریا ہوں یا سمندر
تجھ سے حیات سب کی
جاری تری روانی
پانی تری کہانی
دنیا میں جاودانی
تجھ سے حیات قائم
تجھ سے ہے زندگانی

■

Khwaja Kauser Hayat
Flat No.8, Safa Complex
Kala Darwaza
Aurangabad - 431001
Mob.: 8421934949

صبا منیر

کیا اچھا ہے کیا بہتر

شارق اعجاز عباسی

ملنا جلنا تو اچھا ہے
ہنس کر ملنا جلنا بہتر
محنت کر کے کھانا اچھا
شکر خدا کا کر نا بہتر
ہر نعمت ہے ملنا اچھا
صبر مگر ہے کرنا بہتر
اپنی بات ہے کہنا اچھا
بات کسی کی سننا بہتر
پیار کسی کا پانا اچھا
پیار کسی کو دینا بہتر
عزت حاصل کرنا اچھا
کسی کی عزت کرنا بہتر
اچھی صورت ہونا اچھا
اچھی سیرت ہونا بہتر
کسی سے تحفہ لینا اچھا
کسی کو تحفہ دینا بہتر
وقت پہ سو جانا ہے اچھا
صبح سویرے اٹھنا بہتر

[جون 2021 کے شمارے میں ان کا تعارف شائع ہوچکا ھے]

■

Shariq Aijaz Abbasi
265, Ghalib Apartment
Parwana Road, Pitampura
Delhi - 110034
Mobile: 9968897546

میں ہندوستان ہوں

میں سرزمینِ ہند کا وہ اک حسین خواب ہوں
میں آب ہوں، میں تاب ہوں اور آفتاب ہوں!
میں گنگ ہوں، میں سندھ ہوں، جن ہوں جل ترنگ ہوں
ہر اک رنگ میں خوشنما لدا ہوا لباس ہوں!
ادب ہوں میں ادیب ہوں میں ملک کی بہار ہوں
میں ہند ہوں، میں ہندی ہوں اور ہندوستان ہوں

وطن عزیز جان ہے کہ سر کٹے تو غم نہیں
مخالفین دیکھ لو! جبیں پہ کوئی خم نہیں
ہوں پاسبان ملک کا فخر ہے مجھ کو زعم نہیں
ہمالیہ کی وادیوں میں گونجتی پکار ہوں
میں ہند ہوں، میں ہندی ہوں اور ہندوستان ہوں!

اٹھو! کہ انقلاب کی لہر لہر ہے دوڑتی
جمہوریت جمہوریت پکارتی پکارتی
نئی جہت، نئی امنگ فضا ابھی ہے نئی
اٹھے ہیں ظلم کے خلاف قافلے بھی اب کئی
میں ہند کی جمہوریت کی زندہ اک کتاب ہوں
میں ہند ہوں، میں ہندی ہوں اور ہندوستان ہوں!

■

Saba Muneer
Maulana Azad College
Rauza Bagh
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)

شمیم اختر

غریب دوست

ہوا میرا اک دن جو بازار جانا
دکھا راہ میں یار میرا پرانا

پھٹے حال دیکھا تو اس سے یہ پوچھا
کہاں جارہے ہو؟ یہ حلیہ ہے کیسا

مخاطب ہوا پھر وہ مجھ سے کچھ ایسے
پکڑ کر مرا ہاتھ بچپن کے جیسے

کہاں سے کروں میں شروع اپنا قصہ
تماشہ ہی سمجھو یا قسمت کا حصہ

چلی بھائی بہنوں سے لمبی جو کھٹ پٹ
مرا سارا دھندا ہوا اس میں چوپٹ

چلا چال دشمن زمانہ یہ شاطر
بھٹکتا ہوں در در دو روٹی کی خاطر

نہیں میرے گھر کھانے کا ایک دانہ
کئی دن سے بھوکی ہے میری زنانہ

تڑپ دیکھ کر آگیا مجھ کو غش پھر
کہا میں نے رہنے دے اب بھائی بس کر

بھروسہ اسے رب پہ رکھنے کو بولا
نظر پھر بچا کے میں پاکٹ ٹٹولا

پڑا تھا جو اس میں اسے میں تھمایا
کہ حق دوستی کا تھا اختر نبھایا

جو رب نے عطا کی ہے دولت جہاں میں
کرو تم بھی بندوں کی خدمت جہاں میں

■

Shamim Akhtar
5, PM Bustee 4th Lane
Shibpur
Howrah - 2 (West Bengal)
Mob.: 9836225704

سائنسی آلات

ساحر داؤد نگری

ساحر داود نگری کا تعلق اورنگ آباد (بہار) سے ہے۔ انھوں نے مگدھ یونیورسٹی گیا سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ کئی اخبارات و رسائل کی ادارت سے وابستہ رہے ہیں۔ ان کی ادارت میں ہفت روزہ 'صدائے انصاری' تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ساحر داود نگری کے کئی تنقیدی اور شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں ایک سایہ شجر کے ساتھ رہا، مٹھی میں جادو، پیاس کا سمندر، درخشاں ستارے، منتشر خیالات کا کارواں وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بڑوں کے ساتھ بچوں کے لیے بھی لکھتے ہیں، ان کے متعدد مضامین اور نظمیں ملک و بیرون ملک کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔ ساحر داود نگری کی ادبی اور صحافتی خدمات کے اعتراف میں انھیں کئی اداروں نے اعزازات سے بھی نوازا ہے۔

چلو پڑھنے جاؤ چلو پڑھنے جاؤ
زمانے میں ایجاد سے فیض پاؤ
وسائل مہیا کرا کے حکومت
جو کمزور ہیں ان کو دے دے گی طاقت
سہارا انھیں علم کا مل گیا ہے
اگر ان کی قسمت میں لکھا ہوا ہے
ترقی کریں گے اڑیں گے جہاں میں
کہ یہ یکتا اک دن دکھیں گے جہاں میں
مقدر بنانے میں کچھ دن لگیں گے
ہدف اپنا پانے میں کچھ دن لگیں گے
کلاسوں میں جو کچھ بھی کام ان کے آئے
وہ آلات سائنسی بھارت بنائے
کریں 'یوز' بچے یہیں سب بنا ہے
بظاہر تو دنیا بھی ساری فنا ہے

■

Sahir Daudnagri
6/275,Lalita Park, Laxmi Nagar
Delhi-110092
Mob.: 8800489404

اے آر جاوید

نظمیں

مرغا بولا

مرغا بولا ککڑوں کوں
صبح ہوئی تو سوتا کیوں
بستر چھوڑ سیر کو جا
تن من اپنا خوب بنا
روز سویرے جو اٹھ جائے
عاقل بن کر نام کمائے

چڑیا

چڑیا رانی آؤ نا
کوئی گیت سناؤ نا
دیکھو یوں شرماؤ نا
مجھ کو یوں ترساؤ نا
گیت کہ جو تم گاؤ گی
سب کا من بہلاؤ گی

مچھلی

مچھلی جل کی رانی ہے
جیون اس کا پانی ہے
بن پانی وہ رہ نہ پائے
باہر آئے تو مرجائے
جل میں اس کو پلنے دو
اچھا جیون چلنے دو

■

A. R. Javed
145-G, Block
New Alipore
Kolkata - 700053 (West Bengal)

مٹھائیوں کی محفل

اسد رضا

اسد رضا کا تعلق ضلع بجنور یوپی سے ہے۔ وہ اردو کے معروف صحافی، شاعر اور طنز و مزاح نگار ہیں۔ اردو کے روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' سے طویل عرصے تک ان کی وابستگی رہی ہے۔ ان کی اہم کتابوں میں آئینے احساس کے، ادبی اسپتال، شہر احساس، شوخیِ قلم، شوشے اور طنزانچے قابل ذکر ہیں۔ بچوں کے ان کی تین کتابیں چاند نگر کی سیر، ننھے منوں کی سرکار، کرکٹی مشاعرہ شائع ہو چکے ہیں۔ انھیں ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی کا ادب اطفال ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

کنوینر (کھنکھار کر مائک سنبھالتے ہوئے) میرے دیس کے 9 تا 90 سال کے پیارے پیارے بچو! میں بال گھر کا چیئرمین گڑ مظفر نگری آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہوئے آج نئے سال کے موقع پر میٹھی میٹھی مبارکباد دیتا ہوں اور صدر مشاعرہ جناب افلاطون مراٹھوی سے درخواست کرتا ہوں کہ شمع مشاعرہ روشن کرکے مسند صدارت کی رونق بڑھائیں۔ عالی جناب افلاطون مراٹھوی تشریف لائیں۔ (افلاطون صاحب اسٹیج پر آتے ہیں اور شمع روشن کرکے مسند پر بیٹھ جاتے ہیں۔ تالیوں کی گڑگڑاہٹ ہوتی ہے۔)

اب میں آج کی بزم مشاعرہ کے ناظم محترم لڈو سندیلوی صاحب سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مائک سنبھالیں اور باقاعدگی سے مشاعرے کا آغاز فرمائیں۔

لڈو سندیلوی (مائک سنبھالنے کے بعد) دوستو! سب سے پہلے میں مشاعرے کے مہمان خصوصی جناب رس گلا کولکاتوی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں۔ میری محترم گڑ مظفر نگری سے بھی التجا ہے کہ وہ صدر صاحب اور مہمان خصوصی کا گلدستوں سے استقبال کریں۔

(گڑ مظفر نگری صدر اور مہمان خصوصی کو گلدستے پیش کرتے ہیں۔)

حضرات! اب مٹھائیوں کی محفل یعنی مشاعرے کا باقاعدہ آغاز محترمہ ربڑی عظیم آبادی صاحبہ کریں گی۔ محترمہ مائک پر تشریف لائیے۔

ربڑی عظیم آبادی (آداب کرتی ہوئی) ننھے منے بچو! سب سے پہلے میں ایک حمدیہ مطلع اور ایک شعر پیش کرتی ہوں۔ کچھ بچے شاید مطلع کا مطلب نہیں سمجھتے ہوں گے تو اُن کے لیے عرض ہے کہ حمد و نعت یا غزل کے پہلے شعر کو، جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف ہوتے ہیں، مطلع کہا جاتا ہے۔ مطلع پیش ہے۔

میٹھا میٹھا نام ہے اللہ   کتنا پیارا نام ہے اللہ
اس کی رحمت سارے جگ پر   سب کے لیے اِکرام ہے اللہ

(سب تالیاں بجاتے ہیں)

غزل کا مطلع اور ایک شعر عرض کرتی ہوں۔

ربڑی ہوں میں تو ربڑی   ہونٹوں پہ خوب مچلی
ریشم سی نرم ہوں میں   شیریں ہوں میں شہد سی

(تالیوں کے شور کے درمیان وہ آداب کرتی ہوئی اسٹیج پر بیٹھ جاتی ہیں۔)

ناظم—اب میں جناب پیڑا بدایونی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے کلام سے نوازیں۔

پیڑا بدایونی: دوستو! کلام سے قبل ایک نعتیہ مطلع اور شعر پیش ہے۔

فرش پر آئے محمدؐ کیسے سایہ آپؐ کا
عرش تک پھیلا ہوا ہے جب اُجالا آپؐ کا
انبیاءؑ جتنے بھی ہیں سب واجب التعظیم ہیں
مرتبہ لیکن ہے ان سب میں ہی اعلیٰ آپؐ کا

اب ایک مطلع اور شعر اپنے بارے میں۔

پیڑ پر گرچہ میں نہیں اُگتا   پیڑا پھر بھی ہوں میں تو کہلاتا
ہونٹ جیسے ہی چومتے ہیں مجھے   ذائقہ ہوں زبان پر لاتا

(تالیوں کی گونج کے ساتھ وہ اسٹیج پر تشریف رکھتے ہیں اور ناظم مشاعرہ قلاقند حیدرآبادی کو دعوت سخن دیتے ہیں۔)

قلاقند حیدرآبادی: پیارے بچو! قلاقند کا شیریں سلام قبول کیجیے۔ ایک غزل کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ عرض کیا ہے۔

پیٹ اس سے خراب ہوتا ہے   دانت میں کیڑے یہ لگاتا ہے
میٹھا کھانا نہیں بہت اچھا   یاد رکھیے بڑا ہو یا بچّا
میں اگرچہ ہوں حیدرآبادی   نام اجمیری بھی لگا رکھا

(آداب کر کے قلاقند بیٹھ جاتے ہیں اور ناظم مشاعرہ برفی دہلوی سے اپنا کلام پیش کرنے کی التجا کرتے ہیں۔ برفی صاحبہ مائک پر تشریف لاتی ہیں۔)

برفی دہلوی: چند اشعار آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔ پہلے مطلع اور پھر دو شعر عرض ہیں۔

برف سے تو نہیں ہوں میں بنتی
دنیا کیوں مجھ کو برفی ہے کہتی
کاجو وناریل ہیں میرے خمیر
بیشتر ماوے سے ہی میں کھنچتی
شوق سے کھاتے مجھ کو چھوٹے بڑے
میں پلیٹوں میں جب بھی ہوں سجتی

ناظم: بڑے میٹھے اشعار سنانے کے لیے برفی دہلوی صاحبہ شکریہ۔ اب میں رس ملائی بھوپالی صاحبہ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے کلام سے نوازیں۔ محترمہ رس ملائی:

رس ملائی بھوپالی: ایک مطلع اور شعر عرض ہے۔

رس ملائی ہوں راس کرتی ہوں   مُنہ میں بچوں کے ڈانس کرتی ہوں
شاد ہوتے ہیں مجھ کو کھا کر سب   نااُمیدی کو آس کرتی ہوں

(تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے بیچ رس ملائی صاحبہ سلام کرتے ہوئے اسٹیج پر بیٹھ جاتی ہیں اور ناظم گلاب جامن گلبرگی کو دعوت سخن یعنی کلام پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ گلاب جامن ہاتھ اُٹھا کر سب کو آداب کرتے ہیں اور گلا صاف کرتے ہوئے مائک پر آتے ہیں۔)

گلاب جامن: حضرات! بالخصوص بچو! اگرچہ میرا تعلق مٹھائیوں کی برادری سے ہے لیکن میں صرف ان کی تعریف ہی نہیں کروں گا بلکہ ان کے نقصانات بھی بتاؤں گا۔ عرض ہے۔

میٹھی بولی تو بولنا بچو!   رس بھی لہجے میں گھولنا بچو!
زیادہ میٹھے سے ہے تمھیں بچنا   ہے یہی شوگر کا سبب بنتا
کم مٹھائی ہی تم کو کھانی ہے   اپنی صحت بھی تو بچانی ہے

(اس کے بعد صدر محفل افلاطون مراٹھوی مہمان خصوصی رس گلا کولکاتوی خطاب کرتے ہیں۔ آخر میں مشاعرے کے کنوینر اور شہر کے بال گھر چیئرمین گڑ مظفرنگری سب شعرا اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور محفل کے اختتام کا اعلان بھی کیا جاتا ہے)

■

Asad Raza
21/37-3EC Road
Dehradun - 248001 (Uttrakhand)
Mob: 9873687378

کفایت شعاری

سراج فاروقی

عبدالحی گاؤں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس لیے ٹکٹیں ریزرو کروالی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ دن بھی قریب آ گیا تھا۔ جب گاؤں جانے کے لیے دو دن ہی باقی رہ گئے تھے۔ ان کی فکر بڑھ گئی تھی کیونکہ ہاتھ میں روپے نہیں تھے۔ خالی ہاتھ گاؤں کیسے جاتے؟ گاؤں میں ماں، باپ، بھائی، بہن ہیں۔ سب کے لیے کچھ نہ کچھ تحفے تو ضرور لے جانے تھے۔

عبدالحی پیشے سے بڑھئی تھے۔ ایک شخص کا کام کیا تھا۔ اس سے کچھ رقم آتی تھی لیکن عین موقعے پر وہ شہر سے ایسے غائب ہوگیا کہ اس کا پتہ ہی نہ چلا۔ عجب مایوسی کا عالم تھا۔ وہ اب کیا کریں؟ اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ وہی بات سچ ثابت ہوئی جاتی تھی۔ جس پر تکیہ کیے ہوئے تھے۔ اسی نے بیڑا غرق کیا تھا۔

ایک دن وہ گھر میں بیوی کو پوری بات بتا کر بولے،"اب گاؤں جانا ممکن نہیں ہوگا.... میں ٹکٹیں واپس کیے دیتا ہوں....!"

وہیں پاس ہی ان کا بیٹا نوید بھی بیٹھا تھا جو کہ پندرہ برس کا رہا ہوگا۔ بیٹی آرزو دس سال کی تھی۔ بچوں نے جب ابا کی یہ دل شکن باتیں سنیں، تو ان کا دل بھی غم زدہ ہوگیا اور ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

گاؤں کے لیے ان کے دل میں بڑا تجسس تھا۔ گاؤں کے وہ ہرے بھرے میدان۔ لہلہاتی کھیتیاں، جھومتے باغ، وہ نہر جس میں بچے کود کود کر نہایا کرتے تھے۔ وہ تالاب جس میں لوگ مچھلیاں پکڑا کرتے تھے اور جس میں بطخیں اٹکھیلیاں کیا کرتی تھیں۔ خوبصورت کنول کھلا کرتے تھے۔ وہ لوگ پانچ سال پہلے گاؤں گئے تھے۔ بڑا اچھا لگا تھا۔ اب گاؤں کیسا ہوگا؟ ایکسائٹمنٹ تھا۔

مگر ابّا کی باتیں سن کر ان کے ارمانوں پر خاک پڑتی محسوس ہوئی۔ دُکھ تو اُن کی امّی کو بھی ہو رہا تھا۔ مگر وہ گھٹ رہی تھیں۔ انھیں بھی بڑی حسرت تھی گاؤں جانے کی۔ مگر اب کیا کرتیں؟ لاچاری جو تھی۔

جلدی سے نوید کھڑا ہوگیا اور ابّا سے بولا،"ابّا! گاؤں جانے کے لیے کتنے روپوں کی ضرورت ہوگی...؟"

ابّا نے بڑے غور سے بیٹے کو دیکھا اور پیار سے کہا،"کم سے کم پندرہ ہزار روپے لگیں گے....!"

نوید نے جھٹ سے کہا،"اگر میں وہ روپے دے دوں تو آپ گاؤں کو چلیں گے...؟"

عبدالحی ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ ہوگئے۔ ان کے بیٹے کے پاس اتنے روپے کہاں سے آئیں گے؟ وہ سوچنے لگے تھے۔ کالج میں پڑھتا ہے۔ گھر سے روز بس کا کرایہ لے کر جاتا ہے۔ انہوں نے دھیان سے دیکھ کر بیٹے سے سوال کیا،"آپ کے پاس کہاں سے آئیں گے آپ تو کماتے نہیں ہیں...؟"

نوید نے عاجزی سے کہا،"ابّا! آپ جو روپیہ مجھے بس کے کرائے کے لیے دیتے ہیں۔ آج میں آپ کو بتا دے رہا ہوں..... میں بس میں نہ جا کر پیدل ہی جاتا ہوں.... اور وہ روپیہ بچا لیتا ہوں....!"

ابّا کے منہ سے واہ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

وہ جلدی سے اندر کمرے میں گیا اور اسٹیل کا ایک ڈبہ

لا کر ابّا کے سامنے رکھ دیا۔

ابّا نے دیکھا اس میں دَس دَس اور بیس بیس کی نوٹیں بڑے قرینہ سے رکھی ہوئی ہیں۔

ابّا نے سوال کیا، ''کتنے ہیں....؟''

نوید نے جوش سے بھر کر کہا، ''آپ خود ہی گن لیں...''

ابّا نے جب گنتی کی تو پورے اٹھارہ ہزار روپے تھے۔ ابّا خوش ہو گئے اور اٹھ کر بیٹے کو سینے سے لگا لیا، ''تم نے عزت رکھ لی بیٹا.... '' اور ان کی آنکھیں غم اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے بھیگ گئی تھیں۔

ماں نے بھی جذباتی ہو کر بیٹے کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور سینے سے لگا کر شوہر سے فخریہ لہجے میں کہا، ''آخر بیٹا کس کا ہے؟ ایکدم آپ پر گیا ہے۔ آپ جیسا کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں۔ یہ بھی لیتا ہے....!''

''سچ! آج مجھے لگا...... یہ میرا بیٹا ہے....!''

امّی تھوڑا ناراضگی سے بولیں، ''کیوں؟.... کیا پہلے نہیں لگتا تھا....؟''

عبدالحی کھیسیں نکال کر بولے، ''نہیں ایسا نہیں ہے۔ پہلے بھی لگتا تھا۔ لیکن آج کچھ زیادہ ہی لگ رہا ہے....!''

اسی کے ساتھ سب کے منہ سے ہنسی کا فوّارہ پھوٹ پڑا اور سارا گھر خوشی کی چاندنی میں نہا گیا تھا۔

[سراج فاروقی کا تعارف مئی 2021 کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے۔]

■

Siraj Farooqui
703, Wadghar, Panvel - 410206
Distt.: Raigad , Navi Mumbai (MS)
Mob.: 8108894969

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.............................. بتاریخ..............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

نوک جھونک

عنبر عابد

ڈاکٹر عنبر عابد کا تعلق بھوپال مدھیہ پردیش سے ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ ممتاز صدیقی اردو کی مشہور شاعرہ ہیں۔ انھوں نے برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال سے ہندی اور اردو میں ایم اے، بی ایڈ اور اردو میں بہ عنوان 'بھوپال کی تاریخ میں ڈراما نگاری' پی ایچ ڈی کی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ان کا کلام نشر ہوتا رہتا ہے۔ ان کی تحریریں ملک اور بیرون ملک کے مقتدر رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان کی شاعری اور مضامین کی کتابیں زیر طبع ہیں۔

"ارے..... ذرا تو دھیرے چلو...!"

کاغذ کی درد بھری کراہ سن کر پنسل ٹھٹک کر رک گئی۔

"تمھاری گہری نوک میرے سینے میں نشتر کی طرح چبھ رہی ہے۔ کیا تم آہستہ نہیں چل سکتیں؟"

"تو میں کیا کروں۔"

پنسل بھی کھیج کر بولی:

"لکھنے کے لیے مجھے بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ گھستے گھستے میں ختم ہوئی جا رہی ہوں وہ کچھ نہیں۔"

"مجھے احساس ہے... مگر تمھاری یہ نوک میرے سینے میں گڑ جاتی ہے اور تمھاری لکھی باتیں میرے صفحات پر درج ہوتی جاتی ہیں۔ میں پورا کا پورا تمھارے سیاہ رنگ میں رنگ جاتا ہوں... تم میری سفیدی پامال کر دیتی ہو۔"

کاغذ نے شکایت کی۔

پنسل کب ہار ماننے والی تھی۔

"لکھنا میرا کام ہے... میرا لکھا مٹ بھی تو جاتا ہے۔ یہ ہے نہ ربر جو ننھا سا تو ہے مگر ہے کام کی چیز۔ ہر لفظِ غلط کو مٹا کر صحیح کی جگہ بنا دیتا۔!"

ربر اپنی تعریف سن کر بڑا خوش ہو گیا۔ اور اچھلنے کودنے لگا... اس کی اچھل کود نظر انداز کر کے کاغذ بولا۔

"لیکن تمھارے لکھنے اور اس کے مٹانے کے درمیان میں ہی غریب پستا ہوں۔ پہلے تمھاری نوک کی چبھن اور پھر اس ربر کی تیز رگڑ سے میرا برا حال ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی تو میں پھٹ ہی جاتا ہوں۔"

کاغذ رنجیدہ ہو گیا۔

پنسل کیوں چپ رہتی... بولی:

"کم سے کم میں قلم سے بہتر تو ہوں۔ غلطیوں کو ربر مٹا دیتا ہے اور تمھاری بچت ہو جاتی ہے ورنہ قلم کا لکھا مشکل سے مٹتا ہے۔"

پنسل نے سانس لی اور بولی:

"میری مشکل یہ ہے کہ میں اکثر چھوٹے بچوں کے ہاتھوں میں تھما دی جاتی ہوں وہ لکھنا تو جانتے نہیں بس ایک مشق ہوتی ہے... بار بار میری نوک توڑی اور تراشی جاتی ہے۔ اس صبر آزما عمل سے مجھے بار ہا گزرنا پڑتا ہے۔"

کاغذ بولا:

"میرے ساتھ بھی تو یہی عمل جاری ہے۔ مجھ پر چھوٹے بچے بار بار لکھتے مٹاتے اور پھاڑتے ہیں۔"

"ہاں صحیح کہا تم نے"

پنسل نے ایک لمبی سانس لی اور خاموش ہوگئی۔ کاغذ بولا۔
"پتا ہے مجھے کتنے درختوں کی قیمتی لکڑی سے بنایا جاتا ہے۔"
پنسل بولی۔
"ہاں مجھے بھی بنانے کے لیے لکڑی کے علاوہ بہت سی قیمتی چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری کوئی قدر نہیں۔"
پنسل کا منہ لٹک گیا۔
پاس ہی بیٹھے بوڑھے بابا اس نوک جھونک سے بہت دیر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لکھنا پڑھنا ان کی زندگی کا اہم حصہ تھا۔ کچھ لکھ ہی رہے تھے کہ یہ بحث شروع ہو گئی۔ وہ غور سے دونوں کی باتوں کو سننے لگے لیکن جب پنسل اور کاغذ دونوں اداس اور خاموش ہو گئے تو بابا نے سمجھایا۔
"اداس ہونے کے بجائے تم دونوں یہ سوچو کہ تمھاری یہ قربانی ضائع نہیں جاتی۔ بچے علم سیکھتے ہیں۔ لوگ لکھتے پڑھتے ہیں۔ تم دونوں تو علم کا ذریعۂ خاص ہو۔ تم اداس کیوں ہوتے ہو؟"
کاغذ نے شکایت کی:
"لکھنے پڑھنے کے کام آنا تو میں فخر سمجھتا ہوں اداس تو تب ہوتا ہوں جب کہ مجھے بلا وجہ برباد کیا جائے۔ میرے اوراق بکھیرے جائیں اور معمولی غلطیوں کی وجہ سے مجھے پھاڑا اور برباد کیا جائے۔"
پنسل نے کہا:
میری بھی شکایت یہی ہے۔ بے وجہ مجھے گھسا اور بار بار تراشا نہ جائے۔ مجھے بھی کوئی علم کی خدمت سے انکار تھوڑی ہے۔
بابا شفیق لہجے میں گویا ہوئے۔
"تم دونوں کی بات صحیح اور شکایات واجب ہیں۔ تمھاری خدمات قابل قدر ہیں۔ تم تو علم کا ذریعہ ہو تم تو خیال کی شکل ہو۔ مجھے تو تم دونوں ہی عزیز ہو۔"
کچھ دیر خاموش رہ کر بابا پھر بولے۔
"ہمارا زمانہ اور تھا... سلیٹ اور بتی کا زمانہ..... تختۂ مشق کہتے تھے اسے۔ چھوٹے بچے جب تک لکھنا سیکھنے کے عمل سے گزرتے اسی سلیٹ پر مشق کرتے۔ غلط ہو جانے پر ذرا سی دیر میں تھوک کی مدد سے مٹا دیا کرتے اور آگے بڑھ جاتے۔ اس طرح لکھنے مٹانے کا یہ عمل تب تک جاری رہتا جب تک لکھنا آ نہ جائے۔"
پنسل بولی: "ہاں اس طرح تو دونوں چیزوں کی بربادی نہیں ہوتی ہوگی۔"
بابا مسکرا کر بولے: "آج بھی بتی کا سوندھا ذائقہ میری زبان پر ہے۔ لکھتے لکھتے ہم اکثر بتی کھا لیتے اور پھر دادی کی خوب ڈانٹ پڑتی۔ دادی کہتیں بتی مٹی ہوتی ہے دیکھنا ایک دن پیڑ نکلے گا تمھارے منہ سے۔"
یہ سن کر پنسل اور کاغذ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ اپنی عادت کے مطابق ربر پھر اچھلنے کودنے لگا اور ماحول خوشگوار ہو گیا۔
بابا بولے: "قلم، دوات، پین، پنسل اور کاغذ کا ایک لمبا سلسلہ ہے۔ کچھ حد تک آج ان کی جگہ لیپ ٹاپ کمپیوٹر اور موبائیل وغیرہ نے لے لی ہے۔ اب لوگ لمبی تحریروں کو پڑھنے سے گریز کرنے لگے ہیں... تو مصنف کو بھی اب اختصار سے کام لینا آ گیا ہے۔
"بہرحال یہ قصہ تو طویل تر ہوا جاتا ہے۔ تم تینوں ہی علم کی ضرورت ہو اصل زندگی وہی ہے جو کارِ خیر میں گزرے۔"
یہ سن کر ربر پھر اچھلا اسے دیکھ کر پنسل اور کاغذ مسکرا دیے... اور بابا نے ایک بار پھر سے لکھنے کے لیے پنسل ہاتھ میں اٹھا لی!

■

Dr. Ambar Abid
House No 14, Near Mohammadi Masjid
Khawaspura Shajahanabad
Bhopal - 462001 (MP)

صحت مند پھلوں کا میلہ

حسین قریشی

"**اس موکلن** پر بہت اچھے انگور نظر آرہے ہیں۔ چلیے وہاں سے خریدتے ہیں۔" ارشان نے ایک دوکان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے دادا جی سے کہا۔ "اچھا!! بابا..... ٹھیک ہے۔ چلواس طرف چلتے ہیں۔ ویسے بھی اس دوکان پر انگور کھٹے ہیں اور دام بھی زیادہ ہے۔" دادا جی نے ایک انگور کا ذائقہ لیتے ہوئے کہا۔ "دادا جان!!!...... تمام پھلوں کی دوکانوں پر زیادہ تر انگور ہی انگور نظر آرہے ہیں۔ سیب بہت ہی کم دکھائی دے رہے ہیں۔ ایسا کیوں؟" ارشان نے پھلوں کی دوکانوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے سوال پوچھا۔

دادا جان نے کہا "بیٹا! جس طرح سال بھر بارش نہیں ہوتی۔ جس طرح سال بھر گرمی نہیں ہوتی اور نہ ہی پورے سال سردی کا موسم رہتا ہے۔ٹھیک اسی طرح ایک پھل پورے سال مہیا نہیں ہوتا ہے۔ پھلوں کے بھی موسم ہوتے ہیں۔ جو چار چھ ماہ بعد بدلتے رہتے ہیں۔ جس طرح موسم کا اثر ہماری صحت، رہن سہن اور کپڑوں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے انسانوں کی صحت کے لیے موسم کے لحاظ سے مفید و کارآمد پھل پیدا کیے ہیں جو ہمیں موسم کے مطابق ضروری مقوی غذائی اجزا فراہم کرتے ہیں۔ جس کے استعمال سے ہم صحت مند رہ سکتے ہیں۔ بیٹا... ہر موسم کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، اسی طرح ہر موسم کے اپنے ذائقے دار اور رسیلے پھل بھی ہوتے ہیں، جو سخت، گرمی یا سردی کے دوران آپ کی توانائی بڑھانے، جسم کو کاربوہائیڈریٹ پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ موسمی پھل سورج کی شعاعوں سے حفاظت اور ضروری غذائیت فراہم کرنے کے حوالے سے خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان موسمی پھلوں کو ہم سردیوں، گرمیوں یا برسات کے موسم میں اپنی خوراک کا حصہ بنائیں۔ جس سے ہم اس موسم کا بہتر طور پر مقابلہ کر سکتے ہیں۔ سمجھ... گئے نا... اور

موسم گرما کے چند خاص پھل جسم کو ٹھنڈک دینے کے ساتھ ساتھ زہریلے مواد کو خارج کرنے میں بھی ہمیں مدد فراہم کرتے ہیں۔ ہمیں ان پھلوں کو ڈائٹ کا حصہ ضرور بنانا چاہیے۔"

"ہاں!!... دادا جان سمجھ گیا ہوں۔ ہمارے استاد نے بھی بتایا تھا کہ جس طرح پھلوں کی شکل وصورت، ذائقہ، جسامت، رنگ اور خوشبو مختلف ہوتی ہے۔ٹھیک اسی طرح ان سے ہمارے جسم کو الگ الگ قسم کی ضروری غذائی اجزا ملتے ہیں۔ جو ہمیں طاقت فراہم کرتے ہیں اور ساتھ ہی بیماریوں سے لڑنے کی طاقت بھی دیتے ہیں۔مگر دادا جان!!! کون سے پھل کون سے غذائی اجزا دیتے ہیں؟ اس میں کون کون سی توانائی موجود ہوتی ہے؟ مجھے بتاؤ نا..." ارشان نے بڑے ہی تجسّس کے ساتھ پوچھا۔ گفتگو کے دوران ارشان اور دادا جان انگور خرید کر گھر پہنچ جاتے ہیں۔ ارشان گھر میں داخل ہوتے ہی سب کو سلام کرتا ہے۔ دادا جان نے دیکھا کہ ان کا بیٹا ذیشان لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا ہے۔انھوں نے اپنے فرزند سے کہا" بیٹا ذیشان، کیا اس ڈبے پر ہمیں پھلوں کے بارے میں مکمل سائنسی معلومات مل سکتی ہے؟ ارشان نے راستے میں بہت سے سوالات پوچھے ہیں۔ اگر اس ڈبے سے تفصیلی جوابات مل جاتے تو بہتر ہوتا۔" ہاں!!! ہاں!!! بالکل ابو جان آج انٹرنیٹ کے ذریعے ہم کچھ بھی کیسی بھی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔صرف یہی نہیں اس کی تصاویر یا ویڈیو بھی دیکھ سکتے ہیں۔میرا کام مکمل ہوگیا ہے۔چلو!!!... بچو! یہاں لیپ ٹاپ کے قریب آجاؤ۔آج ہم پھلوں کے بارے میں مفصل و مدلل معلومات حاصل کریں گے۔وہ بھی مزیدار کھیل کے ساتھ، انگوروں کا مزہ لیتے ہوئے۔" ذیشان نے اپنے بچوں ارشان اور نوشین کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

"ارے!!! واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" دونوں بچے خوشی خوشی جلدی سے لیپ ٹاپ کے قریب کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں۔"اچھا!!۔۔۔تو بچو! یہ دیکھو۔ یہ ایک Healthy Fruit Fair مطلب صحت مند پھلوں کا میلہ ہے۔اسے اوپن کرنے کے بعد جس پھل پر ہم ٹچ کریں گے نا... وہ اپنی معلومات ہمیں سنائے گا۔" ذیشان نے ایپ اوپن کرتے ہوئے بچوں سے کہا۔ اسکرین پر مختلف پھلوں کی تصاویر نظر آرہی تھی۔ دادا جان نے انگور کھاتے ہوئے کہا۔"انگور سے شروعات کرتے ہیں۔ارشان تم انگور کی تصویر کو ٹچ کرو۔" جیسے ہی ارشان نے انگور کو ٹچ کیا۔ آواز آئی "میں ایک کثیر الغذا پھل ہوں۔ میرے اندر غذائیت اور توانائی کے بھرپور خزانے ہیں۔مجھ میں دیگر معدن جیسے فولاد، کاپر اور مینگنیز بھی بکثرت موجود ہوتا ہے۔کاپر اور مینگنیز جسم میں خون کی کمی کو دور کرنے میں معاون ہوتے ہیں جبکہ فولاد مجھ میں اس وقت اور بھی بڑھ جاتا ہے جبکہ مجھ سے کشمش بنائی جاتی ہے۔اس طرح سو گرام تازہ انگور میں لگ بھگ ایک سو اکیانوے ملی گرام الیکٹرولائٹ پوٹاشیم ہوتی ہیں۔ جو صحت کے لیے بہت مفید اور فائدے مند ہے۔ اس کے علاوہ مجھ میں وٹامن سی، وٹامن اے، وٹامن کے، کیروٹینز اور بی کمپلیکس وٹامنز جیسے پائری ڈوکسنز، پولی فینالک انٹی اکسیڈنٹ، رائبوفلاون اور تھائیامن بکثرت موجود ہیں۔ مجھے اپنی غذا کا حصہ بناتے رہنا چاہیے۔" اس کے بعد نوشین نے آم کی تصویر کو ٹچ کیا۔آم نے کہا۔

"میں پھلوں کا راجا ہوں۔موسم گرما کا سب سے خاص پھل ہوں۔میری آمد کا انتظار پورے سال کیا جاتا ہے۔ آم کا موسم شروع ہوتے ہی میں بازاروں میں تقریباً ہر دوکان پر دستیاب ہوتا ہوں۔ میں نہ صرف مخصوص ذائقہ اور منفرد خوشبو رکھنے والا پھل ہوں۔ بلکہ میرے اندر وٹامن اور غذائیت سے

بھرپور ایک غذائی مجموعہ بھی موجود ہے۔ مجھ میں وٹامن اے، وٹامن سی، وٹامن ڈی، آئرن، پوٹاشیم اور کیلشیم وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ آم میں موجود فائبر اور پیکٹن کی کثیر مقدار جسم سے کولیسٹرول کی سطح کم کرتی ہے۔ جبکہ دیگر غذائی اجزا بلڈ پریشر اور دل کی رفتار کو کنٹرول رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ آم کا شیک گرمی کا توڑ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جبکہ مجھ میں پائے جانے والے اجزا قوت مدافعت میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔" اس کے بعد دادا جان نے اپنا پسندیدہ پھل تربوز کو چنچ کیا۔

"موسم گرما کے پھلوں میں، آم کے بعد پہلا نام مجھ تربوز کا ہی لیا جاتا ہے۔ مَیں ایک ایسا پھل ہوں جو نہ صرف گرمی کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہوں بلکہ انسانی جسم میں موجود نمکیات کی کمی کو بھی کنٹرول کرتا ہوں۔ مجھ میں 92 فیصد پانی کی مقدار پائی جاتی ہے، جس کے باعث مجھے جسم کو ہائیڈریٹ رکھنے کی صلاحیت سے مالا مال پھل مانا جاتا ہے۔ تربوز میں فولیٹ، بیٹا کیروٹین، پوٹاشیم، وٹامن سی اور اے موجود ہوتے ہیں، یہ تمام غذائی خصوصیات انسان کو متحرک اور تندرست رکھنے میں کافی مفید و مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ اور مجھے چبانے کے لیے دانتوں کی ضرورت نہیں۔"

ذیشان نے ایک پھل کو چُنچ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک نیا پھل ہے۔ اس کا استعمال بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ اس کی معلومات بغور سنو۔"

"میں نرم و ملائم پھل ہوں۔ اگرچہ سائز میں چھوٹا مگر غذائی اجزا سے بھرپور ہوں۔ مجھے سب لوگ آلو بخارا کے نام سے جانتے ہیں۔ میرے اندر مین ڈائٹری فائبر، سوربٹول اور ازاٹن پایا جاتا ہے۔ جو قبض اور نظام ہاضمہ کی مختلف بیماریوں سے نجات حاصل کرنے میں موثر ثابت ہوتا ہے۔ آلوچے یا آلو بخارے میں نشاستے اور ریشے کی وافر مقدار فراہم کرتے

ہیں، جس کے سبب معدے اور آنتوں کی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔'' سچ مچ یہ تو بہت ہی اچھا پھل ہے۔ہم بھی اسے استعمال کریں گے۔نوشین نے کہا۔اس کے بعد دادا جان نے آڑو پھل کا منہ کھولا۔ وہ بولا... ''میں موسم گرما کا ایک رسیلا، میٹھا اور مہک سے لبریز پھل آڑو ہوں۔ میرے بے شمار طبی فوائدوں کے باعث ماہرین اسے کھانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ میں ذائقے دار پھل، جسم سے زہریلے مادوں کے اخراج میں بہترین مددگار ثابت ہوتا ہوں۔ذیشان نے بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ'' بچو!!... طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ کھانسی، نزلہ سرد موسم کی عام بیماریوں میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسم سرما میں کورونا وائرس کے پھیلنے کے خطرات دگنے ہوجاتے ہیں۔کورونا وبا کے دور میں جہاں ہر شخص اپنی صحت کو لے کر کافی محتاط ہے۔ وہیں قوت مدافعت میں تھوڑا سا اضافہ بھی کورونا وائرس سمیت دیگر وائرل انفیکشن سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں پھلوں کا روزآنہ استعمال کرنا چاہیے۔ چلو اب سردی کے چند پھلوں کی معلومات دریافت کرتے ہیں۔سیب، کیلے، انار، ناشپاتی، مالٹوں اور کینوں یہ سردی کے موسم میں پیدا ہونے والے پھل ہیں۔

بچوں نے جواب میں کہا ''ہاں!!... پاپا جی ہم اچھی صحت حاصل کرنے اور'کورونا وائرس' سے حفاظت کے لیے پھلوں کو اپنی غذا کا حصہ بنائیں گے۔اس کے بعد نوشین نے امرود کی تصویر پر جوں ہی ہاتھ رکھا اس نے کہا ''میں امرود موسم سرما کے پسندیدہ پھلوں میں سے ایک ہوں۔ میں وٹامن سی اور اینٹی آکسیڈنٹ سے بھرپور ہوں۔ جو لوگ مجھے کھاتے ہیں۔مَیں ان کے جسم کو مختلف قسم کے انفیکشن سے لڑنے میں مدد فراہم کرتا ہوں۔ انسانی خلیات (BodyCells) کو کسی بھی قسم کے نقصان سے محفوظ رکھتا ہوں۔''

اس کے بعد ناشپاتی نے کہا ''میں سردی کا پھل ناشپاتی بچوں اور بڑوں دونوں کا پسندیدہ ہوں۔ میں نہ صرف کھانے میں لذیذ ہوں بلکہ میرا جوس بھی صحت کے لیے نہایت فائدہ مند مانا جاتا ہے۔تم جب چاہو تب کسی بھی پھل کی جانکاری یہاں سے حاصل کرسکتے ہو۔''

نوشین نے کہا ''پاپا، اس ویب سائٹ پر تو بے شمار پھلوں کی معلومات موجود ہیں۔ ہم اسے وقت ضرورت دیکھتے رہیں گے اور سیکھتے رہیں گے۔ ویسے مجھے ناشپاتی بے حد پسند ہے۔'' اس پر ارشان نے اپنے دادا جان سے کہا، دادا جان مجھے نارنگی بہت پسند ہے۔ میں اس کا استعمال زیادہ کرتا ہوں۔دونوں اپنی اپنی پسند کے بارے میں بتانے لگے۔ان کی باتیں سن کر ذیشان نے کہا'' ہاں بچو!! یہاں اس پھلوں کے میلے میں جو پھل چاہو اس کی پوری معلومات حاصل کرلو۔ وہ بھی چٹکیوں میں...'' دادا جان نے کہا'' یہ ڈبہ تو بہت ہی مفید و کارآمد ہے۔ہمیں دنیا کی معلومات کے ساتھ ساتھ صحت و تندرستی کے گر بھی سکھاتا ہے۔'' دادا جان کی باتیں سن کر سب ہنس پڑے۔

آج ہمیں، دادا جان اور پاپا جان آپ نے بہت ہی اچھی اور مفید صحت مند پھلوں کی تعلیم دی ہے۔ وہ بھی پر لطف کھیل کے طریقے سے ہم اس صحت مند پھلوں کے میلے کی معلومات اپنے دوستوں کو ضرور بتائیں گے۔

■

Husain Qureishi
Ward No.: 7, Kharbari Road
K G N Masjid Ke Pass
Muqam wa Post: Talluaqa Mutla
Distt.: Buldana - 443193 (Maharashtra)
Mob.: 9850155656

شفق اسعد

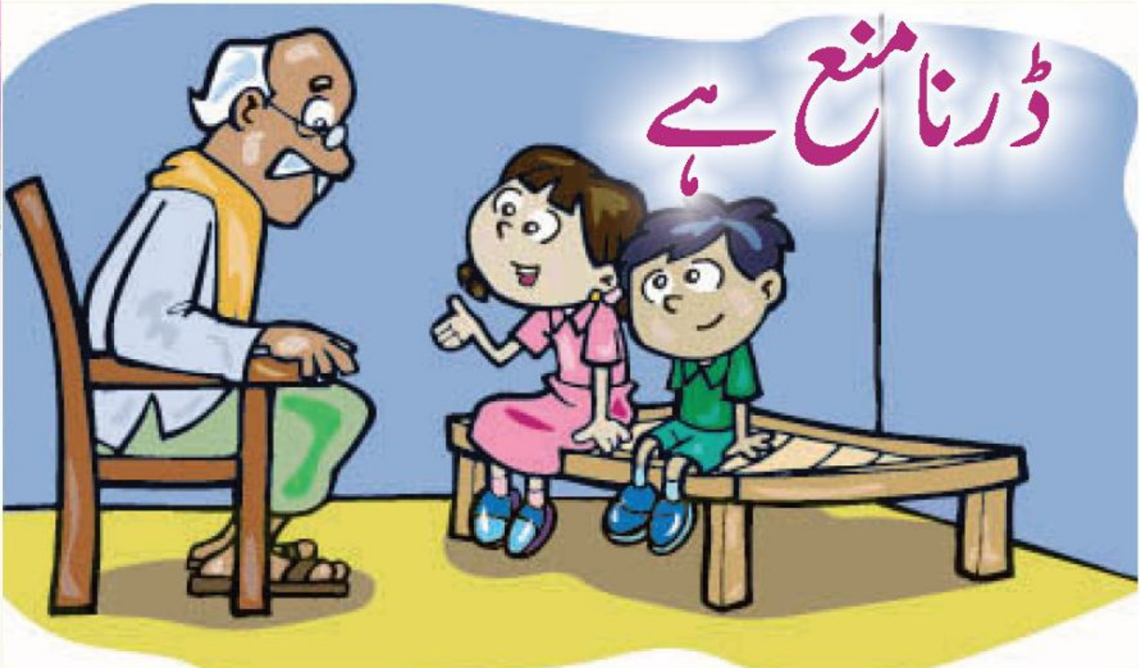

ڈرنا منع ہے

"دادا جان! کہانی سنائیں۔" کہتے ہوئے ہادی اسوہ اور عروہ ان کے کمبل میں گھس گئے۔

"نہیں بھئی تم لوگ بہت تنگ کرتے ہو میں تم لوگوں کو کہانی نہیں سناؤں گا۔" دادا جان نے خفگی سے منہ موڑا۔

"دادا جان! میں تو بالکل تنگ نہیں کرتا۔" ہادی نے فوراً اپنی پوزیشن کلیئر کی۔

"ابھی کل ہی کی بات ہے۔ تم لوگوں کے پڑھنے کا وقت ہو رہا تھا اور تم لوگ کھیل میں لگے تھے۔ میں نے اسوہ کو بلا کر کہا بھی تھا کہ بیٹا! اب پڑھائی کا وقت ہو رہا ہے کھیل بند کرو۔ لیکن وہ اَن سنی کر کے دوبارہ کھیلنے بھاگ گئی اور میری بات نہیں مانی۔ لہٰذا آج تم لوگوں کی یہی سزا ہے کہ میں تم لوگوں کو کہانی نہیں سناؤں گا۔" دادا جان نے شام والا واقعہ ان کو یاد دلایا تو شرمندگی سے سب کے سر جھک گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسوہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چھلکنے لگے اور تینوں نے کان پکڑ کر دادا جان سے معافی مانگی کہ اب وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے اور ان کی ہر بات مانیں گے۔ جیسے ہی دادا جان نے اسوہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے، تڑپ گئے اور ان سب کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور بولے: "میرے بچو! بڑے کبھی بھی بچوں کا برا نہیں چاہتے۔ انھیں جو بھی کہتے ہیں، ان کی بھلائی کے لیے ہی کہتے ہیں۔ اس لیے وعدہ کرو کہ آج سے بڑوں کی کوئی بات نہیں ٹالو گے اور ان کی بات مانو گے۔"

"وعدہ" تینوں یک زبان ہو کر بولے تو دادا جان مسکرا اٹھے کہ یہی تو ان کے آنگن کی بہار تھے۔ یہ اداس ہو جاتے تو انھیں کچھ اچھا نہیں لگتا تھا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ اب تم لوگوں کی سزا ختم کر دی جائے۔" دادا جان مسکرا کر بولے۔

"ہرا" چیخ کر کہتے ہوئے سب دادا جان سے لپٹ گئے۔

"دادا جان! آج کوئی نئی کہانی سنائیے۔" عروہ نے فرمائش کی۔

''نہیں دادا جان! آج تو آپ کوئی ڈراؤنی کہانی سنائیے۔'' ہادی نے فوراً اس کی بات رد کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے دادا جان آپ نے کبھی ہمیں کوئی ڈراؤنی کہانی نہیں سنائی۔'' اسوہ بھی میدان میں اتر آئی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' عروہ بھی اپنی فرمائش بھول کر پرجوش ہوگئی۔ (بچپن میں ڈراؤنی کہانیوں کا شوق جو اتنا ہوتا ہے بچوں کو)

''اچھا ٹھیک ہے میں سناتا ہوں لیکن پہلے سب وعدہ کرو کہ ڈرنا بالکل نہیں ہے کسی کو۔ اگر ڈر لگے تو یہ سوچنا ہے کہ یہ صرف ایک کہانی ہے۔ کوئی سچی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے؟'' دادا جان نے شرط رکھی۔

''ڈن'' سب ایک ساتھ بولے۔

''ایک بار کی بات ہے۔ کسی گاؤں میں سرابو نام کا ایک علاقہ تھا۔ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں شام کو اندھیرا ہونے کے بعد چڑیلیں نکلتی ہیں اور جسے پاتی ہیں اسے مار کر خون چوس لیتی ہیں۔ جس کی وجہ سے سرِ شام ہی لوگ ادھر جانا چھوڑ دیتے تھے اور سورج ڈوبنے کے بعد تو وہ جگہ اور ویران اور ہولناک لگتی تھی اور صرف الوؤں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ آٹو رکشہ والے بھی اندھیرا ہونے سے پہلے ہی ادھر جانا چھوڑ دیتے تھے اور ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ اگر سواری وہاں کی مل بھی گئی تو اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے چھوڑ کر واپس آجائیں۔

ایسے ہی ایک دن اندھیرا ہونے کے بعد کرمو کے رکشہ کے پاس دو نقاب والی عورتیں آئیں اور بولیں کہ ''بھیا ہمیں سرابو جانا ہے'' تو کرمو نے صاف انکار کردیا کہ ''بہن جی اندھیرا ہونے سے پہلے آتیں تو ہم پہنچا دیتے اب ہم ادھر نہیں جائیں گے۔ آپ کو پتہ نہیں ہے ادھر اندھیرا ہونے کے بعد کوئی نہیں جاتا۔'' وہ مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں پھر بولیں کہ ''بھیا پہنچا دیجیے ناں دیکھیں تو کوئی سواری بھی نہیں دکھائی دے رہی ہے۔'' کرمو نے رکشہ سے جھانک کر دیکھا تو واقعی سڑک پر دور دور تک کوئی سواری نظر نہیں آرہی تھی اور عورتیں بھی کافی پریشان نظر آنے لگی تھیں تو لامحالہ کرمو کو ہامی بھرنا پڑی۔ ''اچھا چلیں! چھوڑ آتا ہوں۔ لیکن آئندہ اندھیرا ہونے سے پہلے ہی گھر چلی جایئے گا۔ اس وقت کوئی بھی آٹو رکشہ ادھر نہیں جاتا۔ آپ عورتیں ہیں اور اکیلی ہیں اس لیے چھوڑ دیتا ہوں ورنہ نہیں جاتا چلیں بیٹھیں۔'' دونوں عورتیں جلدی سے بیٹھ گئیں اور کرمو نے رکشہ چلا دیا اور رفتار تیز کردی تاکہ ان عورتوں کو پہنچا کر جلد از جلد واپس آسکے۔ تیز رفتاری کی وجہ سے جلد ہی منزل آگئی اور عورتیں شکریہ ادا کرتی ہوئی رکشے سے اتر گئیں اور بٹوے سے پیسہ نکالتے ہوئے ایک سکہ زمین پر گرا دیا اور اٹھانے کو جھکنے لگیں تو کرمو نے کہا کہ میں اٹھا دیتا ہوں۔ جیسے ہی کرمو نے جھک کر سکے کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کی نظر ان کے پاؤں پر پڑ گئی۔ (دھک دھک دھک.....) کیونکہ ان کے پاؤں الٹے تھے۔''

''پاؤں الٹے ہونے کا کیا مطلب؟'' ہادی نے اپنی مشکل پیش کی۔ اسوہ اور عروہ تو ڈر کے مارے دادا جان سے چپکی ہوئی تھیں۔ ''بیٹا پرانے زمانے میں یہ بات مشہور تھی کہ چڑیلوں کے پاؤں الٹے ہوتے ہیں یوں کہ ایڑی والا حصہ سامنے ہوتا ہے اور انگلیوں والا پیچھے کی طرف۔'' دادا جان نے وضاحت کی۔

''ہاں تو ہم کہاں تک پہنچے تھے؟'' دادا جان سوچ میں پڑ گئے۔ تبھی اسوہ پٹ سے بولی: ''ان عورتوں کے پاؤں الٹے تھے چڑیلوں کی طرح۔'' دادا جان ہنس پڑے اور کہنے لگے:

''ہاں بیٹا تو کرمو نے دیکھا کہ ان عورتوں کے پاؤں الٹے ہیں تو کرمو کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس

نے پیسے چھوڑے اور رکشہ چلانا شروع کیا اور پوری رفتار سے بھگا دیا۔ راستے میں ایک جگہ دو چار آدمی جا رہے تھے۔ انھوں نے اسے روکا کہ ''بھئی کیوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو؟'' تو کرمو نے ساری بات بتادی کہ کس طرح دو عورتیں سرابو جانے کے لیے رکشے میں بیٹھیں اور وہاں اتریں تو سکہ گرادیا جس سے کرمو کی نظر ان کے پیروں پر پڑ گئی اور حیرت انگیز طور پر ان کے پیر الٹے تھے۔ تو ان آدمیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر کرمو سے پوچھا کہ ''ہمارے جیسے؟'' اور اپنے پیر اس کے سامنے کر دیے جو سب کے الٹے تھے۔ اب تو کرمو کے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ بجلی کی رفتار سے رکشے میں بیٹھا اور پوری رفتار سے بھگانے لگا اور گھر کے دروازے پر جا کر ہی دم لیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی بیوی نے دروازہ کھولا۔ اسے اتنے ڈر اور پسینے میں بھیگا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگی کہ ''کیا ہوا؟ اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟'' تو کرمو نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی سنائی کہ ''دو عورتیں سرابو جانے کے لیے میرے رکشے میں بیٹھیں پھر اتریں تو میں نے دیکھا کہ ان کے پیر الٹے تھے۔ میں فوراً وہاں سے بھاگا۔ راستے میں دو تین لوگ ملے ان کو ساری بات بتائی تو انھوں نے اپنے پیر دکھائے کہ ہمارے جیسے؟ اور جانتی ہو حیرت انگیز بات کیا تھی؟ ان آدمیوں کے پیر بھی الٹے تھے۔ اس کی بیوی تعجب سے ساری داستان سنتی رہی۔ سننے کے بعد اس نے اپنے پاؤں آگے کیے کہ دیکھو میرے جیسے؟ بس پھر کیا تھا کرمو تو وہیں بے ہوش ہوگیا۔ اور بچو! اسی کے ساتھ کہانی ختم۔''

دادا جان کہانی ختم کر کے بچوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جن میں سے ہادی تو تھوڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ جبکہ اسوہ اور عروہ کمبل میں دبکی ہوئی تھیں۔ دادا جان نے ان سے کہا: ''میں نے تم لوگوں سے کیا وعدہ لیا تھا کہ اس کو صرف کہانی

سمجھنا ہے ڈرنا نہیں ہے۔ یہ تو بس ایک کہانی تھی ختم ہوگئی۔ یہ سب فرضی باتیں ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن بھوتوں کی ہماری دنیا میں دخل اندازی یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ان سے ڈرنا بزدلوں کا کام ہے۔ اب تم لوگ بتاؤ تم لوگوں میں سے کون کون بزدل ہے؟'' ''میں بزدل نہیں ہوں'' ''میں بھی نہیں ہوں'' سب یک زبان ہو کر بول پڑے (کہ بچوں کو بہادر بننے کا شوق بھی بہت رہتا ہے) اور دادا جان مسکرا اٹھے کہ ان کے دلوں کا خوف جو ان کی بہادری پر غالب آچکا تھا۔

ڈراؤنی کہانیاں بچوں کو سنانا غلط نہیں ہے لیکن سنانے کے بعد ان کا خوف بھی ضرور دور کر دینا چاہیے ورنہ یہ خوف ان کے دلوں میں جڑ پکڑ کر بیٹھ جائے گا۔

■

Shafaq Asad
B18/1G Reori Talab
Varanasi - 221010 (U.P)
Mob.: 9044750342

مترجم: خان حسنین عاقب

کچن پر حملہ

وکاس پرکاش جوشی

وکاس پرکاش جوشی کا تعلق پونہ (مہاراشٹر) سے ہے۔ انھیں بچوں کے ادب سے خاص دلچسپی ہے۔ بنیادی طور پر انگریزی اور مراٹھی میں نظمیں، کہانیاں اور ناول لکھتے ہیں۔ بچوں کے لیے انگریزی میں ان کا ناول زیر اشاعت ہے۔ وہ ایک اچھے مترجم بھی ہیں۔ لکھنے کے علاوہ انھیں مطالعہ، سیاحت، کوکنگ اور پبلک اسپیکنگ کا بھی شوق ہے۔

"روشن، ہم کولکاتا جارہے ہیں، تیاری کرو!"

روشن نے رات میں کھانے کی میز پر ماں کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو ایک دم خوش ہوگیا۔ ہر سال نومبر میں جب دیوالی کی چھٹیاں شروع ہوجاتیں، پونہ میں رہنے والی پرانجپے فیملی کولکاتا جایا کرتی تھی۔ روشن کو اس وقت کا بے صبری سے انتظار ہوتا تھا کیونکہ اسے نہ صرف اپنے نانا نانی کے گھر رہنے کو ملتا تھا بلکہ کولکاتا کی مٹھائیاں بھی کھانے کو ملتیں۔ روشن کے والد پونہ کے رہنے والے تھے جب کہ اس کی والدہ کا تعلق کولکاتا سے تھا۔

اگلے چند دن تو یوں ہی گزر گئے، دن میں ٹرمنل امتحان کے پرچے ہوتے اور رات میں سفر کی تیاریاں! پھر وہ دن بھی آگیا جب وہ سب ایک خوشگوار شام پونہ اسٹیشن سے کولکاتا کی ٹرین میں سوار ہوگئے۔ طے شدہ وقت کے مطابق وہ کولکاتا اسٹیشن پر اتر کر سیدھے دھاکوریا جھیل کے نزدیک واقع روشن کے نانا کے گھر پہنچ گئے۔

اگلی صبح روشن نے دیکھا کہ گھر کی ملازمہ نیلی ماسی اور دیدی ما کچن میں رس گلوں، چم چم، سوندیش اور لنگچا کے ڈھیر بنانے میں مصروف ہیں۔ منہ میں گھل جانے والے رسیلے رس گلے، ریشم جیسے نرم سوندیش، سنہری چم چم اور مشٹی ڈوئی (بنگالی میٹھا دہی)؛ اتنا سب کچھ تو ایک ہاتھی کے خاندان کی بھوک مٹانے کے لیے کافی سے کچھ زیادہ ہی تھا۔

روشن کے منہ میں پانی آنے لگا۔ لیکن اس کے کزن سمیر اور سیما کے گھر میں ہونے کی وجہ سے مٹھائیاں جلد ہی غائب ہوجایا کرتی تھیں۔ اسے فوراً کوئی ایکشن لینا ہوگا۔ اس نے ایک پلان تیار کرلیا۔

اس دن وہ روشن کے دونوں کزنس، نیلی ماسی، دیدی ما

اور بابا کے ساتھ کولکاتا گھومنے کے لیے نکلے۔ انھوں نے سائنس سٹی، دکشی نیشور، کالی باری، وکٹوریا میموریل، زو اور پارک اسٹریٹ کی جی بھر کے سیر کی۔ گھر واپس ہوتے ہوتے شام ہوگئی۔ روشن تھک گیا تھا، اس لیے اس نے نہا کر کچھ دیر آرام کیا۔ کھانے کی میز پر رکھے پکوان دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے ہلکا ڈنر کرنا ہوگا۔ اس نے اپنے پلان پر عمل کرنا شروع کردیا۔ اس نے اعلان کردیا کہ وہ آج پیٹ بھر کر نہیں کھائے گا۔ یہ سن کر باقی لوگوں نے اسے ہمدردی کے ساتھ دیکھا۔ ماشی بولیں، 'دن بھر دھوپ میں چلنے کی وجہ سے شاید ایسا ہو رہا ہوگا۔ تم ایک پیراسیٹامول کی گولی لے لینا۔''

روشن نے بڑے خلوص کے ساتھ سر ہلادیا۔

''سر درد ہے؟''

''نہیں... ہمم... میرا مطلب ہے تھوڑا سر درد تو ہے۔ میں بس تھوڑا ہی کھاؤں گا۔'' اس نے کہا۔

اسے لگا کہ اگر وہ تھوڑا بہت کھانا کھالے گا تو کسی کو شک بھی نہیں ہوگا۔

سب اس کے بارے میں فکرمند تھے۔ صرف بابا نے اپنا سر اٹھا کر پوچھا، ''دوپہر تک تو تم ٹھیک ٹھاک تھے جب تم نے مغلائی پراٹھے اور چکن چاپ ایسے کھائے تھے جیسے ہم تمھیں پونہ میں بھوکا رکھتے ہوں۔''

اس نے سوچا اسے تھوڑا بہت کھانا کھا ہی لینا چاہیے تاکہ بابا اور ماں زیادہ فکرمند نہ ہوں۔ رات کھانے کی میز پر اس نے تھوڑے چاول اور گھوگھنی کھائے اور سیدھا بستر پر دراز ہوگیا۔ لیکن اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ جاگتے رہنے کا تھا۔ ڈبوں میں رکھی ہوئی تمام مٹھائیوں کا خیال کرتے ہوئے اس کے منہ میں پانی آرہا تھا۔ دھیرے دھیرے گھر کی تمام آوازیں مدھم ہونی شروع ہوگئیں۔ اب ٹی وی پر بنگالی سیریلس اور سیاسی بحثوں کی آوازیں آنی بھی بند ہوگئی تھیں۔ سارے لوگ اپنے اپنے بستر میں جانے لگے۔ روشن جاگتے رہنے کی کوشش میں بے چینی سے چھت کو گھورے جارہا تھا۔

پلان پر عمل کرنے کا یہی مناسب وقت تھا۔

اس نے یاد کیا کہ شاید اسٹیل کا ڈبہ فریج میں رکھا ہوا تھا۔ رسیلے رس گلوں کا خیال ہی اسے بستر کی قید سے باہر نکالنے کے لیے کافی تھا۔ ہمت جٹا کر بستر چھوڑتے ہوئے اسے میز کا سہارا لینا پڑا کیونکہ شروعات میں اندھیرے کی وجہ سے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب کچھ دیر بعد بھی اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی نہیں ہوسکیں۔ کیا یہ اس کا وہم تھا یا پھر اندھیرا ہی اتنا گہرا تھا؟

لیکن پھر اس نے ہمت کرکے آگے بڑھنے کا فیصلہ کرلیا۔

اگلے کمرے میں سوئے سمیر کے خراٹے سن کر روشن نے طے کرلیا کہ یا تو 'ابھی' یا پھر 'کبھی نہیں'۔ اب اس کی آنکھیں تھوڑا بہت دیکھ سکتی تھیں۔ چیزیں اور شکلیں واضح ہونے لگی تھیں۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ کچن کدھر ہے اور اپنے کمرے سے کچن تک کیسے جایا جائے۔ وہ ایک ایک انچ آگے بڑھتے ہوئے آخرکار کچن میں رکھے فریج تک پہنچ ہی گیا۔

پھر اس نے اسٹیل کے ڈبوں کو کھولا اور ان میں رکھے رس گلوں، چم چم اور سوندیش پر حملہ آور ہوگیا۔ اس نے کتنے رس گلے، چم چم اور سوندیش کھائے، اس کی کوئی گنتی نہیں تھی۔ لیکن وہ وقت تو آنا ہی تھا جب اس کا پیٹ مزید کھانے سے انکار کردیتا۔ جب اس کی طبیعت سیر ہوگئی تو بستر کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔ وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح دیوار سے سر ٹکراتے ہوئے، اندھیرے میں ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے اپنے بستر تک پہنچ گیا۔

صبح ہوئی تو ہر طرف 'کی آچے' اور 'کی کورلو' کی آوازیں

اس کے کان میں پڑیں۔ بیڈروم سے نکل کر روشن نے کچن میں جھانکا۔ یوں بھی ماں اور ماشی باتیں کرتیں تو ان پر توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن وہ سن رہا تھا۔

''ماگو! اتنے سارے رس گلے کس نے کھالیے؟'' ماشی نے ڈبے کے اندر تہہ تک جھانکا جیسے رس گلے کھانے والا چور ڈبے کی تہہ میں چھپا بیٹھا ہو۔ دیدی ما ایک کے بعد دوسرا ڈبہ کھول کر دیکھنے لگیں۔ وہ حیرت سے بولیں، ''سوندیش اور چم چم بھی غائب ہیں!''

نیلی ماشی حیرت سے بولیں، ''آخر کار یہ کس نے کھائے ہیں؟''

ماں خشک لہجے میں بولیں، ''ہو نہ ہو یہ سمیر کا کام ہے۔''

نیلی ماشی نے سر اٹھا کر دیکھا لیکن کچھ بولیں نہیں۔ سمیر وہاں آچکا تھا۔ وہ اپنی آنکھیں ملتے ہوئے بولا، ''لیکن میں تو سویا ہوا تھا۔''

شک کی سوئی سمیر کی جانب گھومتے دیکھ روشن خوش ہوگیا۔ وہ برش کرنے کے لیے سیدھے بیسن کی جانب بڑھا۔

اچانک ماں کی ہنسی نکل گئی۔ ہنستے ہنستے انھوں نے آواز دی، ''روشن، ذرا ادھر تو آنا۔''

روشن بڑھ کر آگے آگیا۔ ماں بولیں، ''نیلی، ذرا ہمارے روشن کو تو دیکھو!''

پہلے تو سب نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر زور سے ہنسنے لگے۔

ماشی نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر پوچھا، ''روشن! سچ سچ بتاؤ رات میں تم نے کتنے رس گلے، چم چم اور سوندیش کھائے؟''

روشن بولا، ''نہیں میں نے تو نہیں کھائے، سمیر نے کھائے ہیں شاید۔''

لیکن جواب میں سب کے قہقہے گونجنے لگے۔

دیدی ما بولیں، ''مجھے لگتا ہے میں نے تو ایک بھی نہیں کھایا۔''

ہنستے ہنستے ماں اسے کندھوں سے پکڑ کر باتھ روم تک لے آئیں اور بولیں، ''بچہ! اب ذرا آئینے میں خود کو دیکھو!''

آئینے میں خود کو دیکھ کر روشن شرم سے پانی پانی ہوگیا۔ اس کی قمیص جگہ جگہ رس گلوں کے ٹکڑوں اور مال پوا، سوندیش اور چم چم کی چاشنی سے بھری ہوئی تھی۔ رات میں اپنے بستر تک پہنچنے کی جلدی میں وہ اپنا منہ اور ہاتھ دھونا بھول گیا تھا۔

وہ سوچنے لگا، کاش میں اس طرف دھیان دیتا تو اتنی شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔

صبح ناشتے کے وقت روشن کے پیٹ نے زیادہ کھانے سے انکار کردیا۔ رات میں اڑائی ہوئی بنگالی مٹھائیوں کی دعوت نے اسے فوراً بیت الخلا کا راستہ دکھادیا۔ وہ کافی دیر تک بیت الخلا میں بیٹھا رہا۔ وہاں سے واپس ہوتے ہوئے وہ سوچنے لگا کہ ماں بھی غلط نہیں تھیں۔ وہ صحیح کہتی تھیں کہ ایک ساتھ بہت زیادہ مٹھائیاں کھالینا بھی اچھی بات نہیں ہے۔

لیکن ایک اچھی بات بھی ہوئی۔ جب بابا کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے روشن کے کندھے تھپتھپائے اور بولے، ''روشن! کم از کم اس واقعے سے تم یہ سبق تو سیکھ ہی چکے ہوگے کہ غبارے میں زیادہ ہوا بھرنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

■

Vikas Joshi
Flat 6, Ajinkya Chayya
Bhusari Colony Right
Lane No.3, Kothrud Paud Road
Pune - 411038
Khan Hasnain Aquib
Ghulam Nabi Azad College
Poosad - 445204 (Maharashtra)
Mob.: 09423541874

پرویز احمد یعقوبی

بچوں کا سنسار

جس شخصیت سے آپ کو متعارف کروانا چاہتے ہیں ان کا شمار دور جدید کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے آپ کے لیے حمدیں، نعتیں، نظمیں وغزلیں آپ ہی کے لہجے میں لکھی ہیں جو آپ کے ننھے منے خیال، مزاج، ذوق، شوق کی عکاسی کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں آپ کی نفسیات کو پرکھنے کی کوشش کی ہے۔

بچو! آپ کی ذہنی نشوونما، اخلاقی تعمیر، آپ کی کردار سازی، محبت اور بھائی چارہ ان کے اہم موضوعات ہیں۔ بہترین منظر نگاری وتصویر کشی سے وہ اپنی نظموں کا حسن دوبالا کردیتے ہیں۔ ان کی زبان انتہائی سادہ، رواں اور عمدہ ہے اس لیے ذہن ودل پر گراں نہیں گزرتی اور بہ آسانی نقش ہوجاتی ہے۔ اس کی مثال کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ادب اطفال میں انھیں امتیازی مقام حاصل ہے۔

ان کا نام نامی تو عبدالرحیم ہے لیکن تخلص نشتر ہے۔ مزاجاً بے ضرر، بے شر اور خوددار ہیں۔ آپ کے لیے لکھتے وقت وہ آپ کی تمناؤں، حوصلہ افزائی اور اخلاقی تلقین کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ موسموں کی خوبصورتی، نیرنگی اور افادیت کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

بچو! جناب عبدالرحیم نشتر اہل زبان ہیں اور انھیں زبان و بیان پر قابل رشک قدرت حاصل ہے۔ ان کی علمی وادبی شخصیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کا اسلوب بہت دل کش اور پراثر ہے جو ان کی ذات، زبان اور صفات کی عکاسی کرتا ہے۔

نشتر صاحب کی تحریروں میں ان کے اندر کا انسان بولتا سنائی دیتا ہے۔ ان کے دل میں چھپے، سمندر کا شور سنائی دیتا ہے۔ یوں تو بچوں کے لیے لکھنا بچوں کا کھیل نہیں، یہ جملہ تو آپ نے بارہا سنا ہوگا لیکن موصوف کی تحریروں سے محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بچہ رقمطراز ہے۔ ان کی نظموں کے پانچ مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں اور مقبول بھی ہوچکے ہیں جن کے نام اس طرح ہیں بچارے فرشتے، کوکن رانی، موتی چور کے لڈو اور گل چھرے۔ اور اب ہم جس مجموعہ کی بات کرنے جارہے ہیں وہ ہے ان کی نظموں کا پانچواں مجموعہ 'بچوں کا سنسار' جس میں عمدہ اور بہترین نظمیں ہیں جس کا مطالعہ آپ کے ذہن ودل کو موہ لے گا۔ تو چلیے دیکھتے ہیں نظموں کے کچھ انداز۔

میرا بچپن پھول کی خوشبو
میرے بچپن جیسی پیاری
تیرا میرا رنگ نہ پوچھے
پھول کی خوشبو جگ مہکائے
آنکھوں کو چمکانے والی
گیت کی لے چلتا جادو ہے
میں بچہ ہوں میں خوشبو ہوں
دھواں دھواں دنیا کی آنکھیں
خوشبو کو بارود نہ کرنا
بچہ بچہ چیخ کے کہہ دے

میرا بچپن گیت کی لے
اور بھلا ہے کون سی شے
تیری میری ذات نہ پوچھے
بندوں کی اوقات نہ پوچھے
ہونٹوں کو مسکانے والی
جان و دل پر چھانے والی
میں نغمہ ہوں میں جادو ہوں
میں ان آنکھوں کا آنسو ہوں
نغمے کو محدود نہ کرنا
امن و اماں نابود نہ کرنا

بچو! کیسی لگی آپ کو یہ نظم۔ اس کا عنوان انھوں نے بچہ رکھا ہے اور اس میں آپ کی معصومیت اور بچپن کو خوشبو اور گیت کی لے سے تشبیہ دی ہے اور بچپن کے تحفظ کی فکر کی ہے۔ بچپن اور بچوں کے مزاج کی عکاسی خوبصورت انداز میں کی ہے یہ کہہ کر کہ "تیرا میرا رنگ نہ پوچھے۔ تیری میری ذات نہ پوچھے" اور تلقین کی ہے کہ بچپن کی خوشبو کو بارود نہ کرنا اور نغمے کو

محدود نہ کرنا، ہر بچہ یہ چیخ کر کہہ دے، امن و امان نابود نہ کرنا۔

دوستو! نشتر صاحب نے اپنے بیشتر کلام میں ہمارے اور اپنے بچپن کی شگفتگی کو یاد کرنے کی کوشش کی ہے اور زمانے سے اس کی حفاظت کی تاکید کی ہے۔ جیسے۔

صبح ننھے فرشتے آتے ہیں
روشنی بن کے پھیل جاتے ہیں
گھر سے اسکول تک سبھی بچے
جھومتے، ناچتے ہیں، گاتے ہیں

یہ فرشتے، یہ پھول سے بچے
رنگ و نکہت کے شاہ زادے ہیں
آنکھ کا نور، چین ہیں دل کا
امن و راحت کے شاہ زادے ہیں

ملکوں ملکوں انہی سے رونق ہے
ساری دنیا کی زندگی بچے
چاروں جانب انہی کا حسن و جمال
ساری دھرتی کی دل کشی بچے

پیار کا گیت، دوستی کا سبق
جنگ بازوں کو سیکھنا ہوگا
یعنی بارود کی بجائے انہیں
باغ پھولوں سے سینچنا ہوگا

باغ دنیا ہے پھول ہیں بچے
پھول ہنستے رہیں تو اچھا ہے
رنگ و نکہت کے، امن و راحت کے
ساز بجتے رہیں تو اچھا ہے

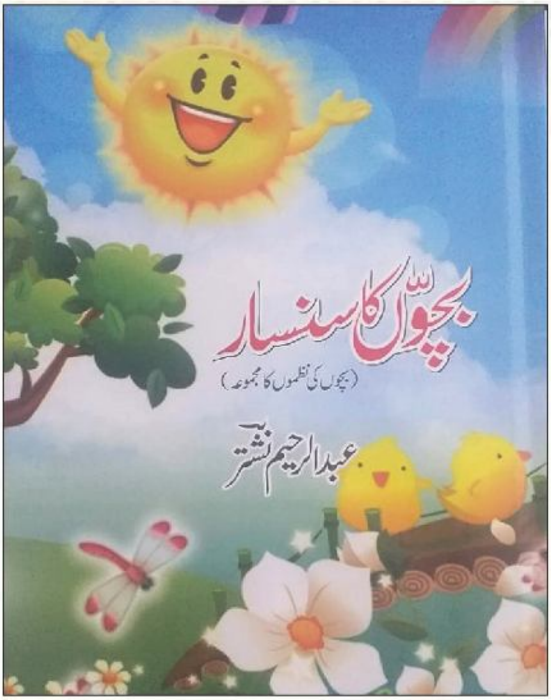

بچوں کا سنسار، مصنف: عبدالرحیم نشتر، صفحات: 240
قیمت: 151 روپے، سنہ اشاعت: 2021

دوستو! اس نظم میں نشتر صاحب نے انسانیت کے دشمنوں کو پیار کا گیت اور دوستی سیکھنے کی تلقین کی ہے۔ یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ یہ اوصاف بچوں میں بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں جنھیں فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا ہے ہی بڑی عیار و سفاک۔ عیاری و مکاری کی نقا   ہمیشہ ان کے چہروں پر پڑی ہوتی ہے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس فریب سے بچ کر کچھ کر گزرتے ہیں۔ عبدالرحیم نشتر صاحب بھی انہی کچھ کر جانے والوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

■

Parvez Ahmed Yaqubi
Peeli Haveli Chowck, Kamptee
Distt.: Nagpur - 441001 (Maharashtra)
Mob.: 9595559073

مترجم: رضوان لطیف خان

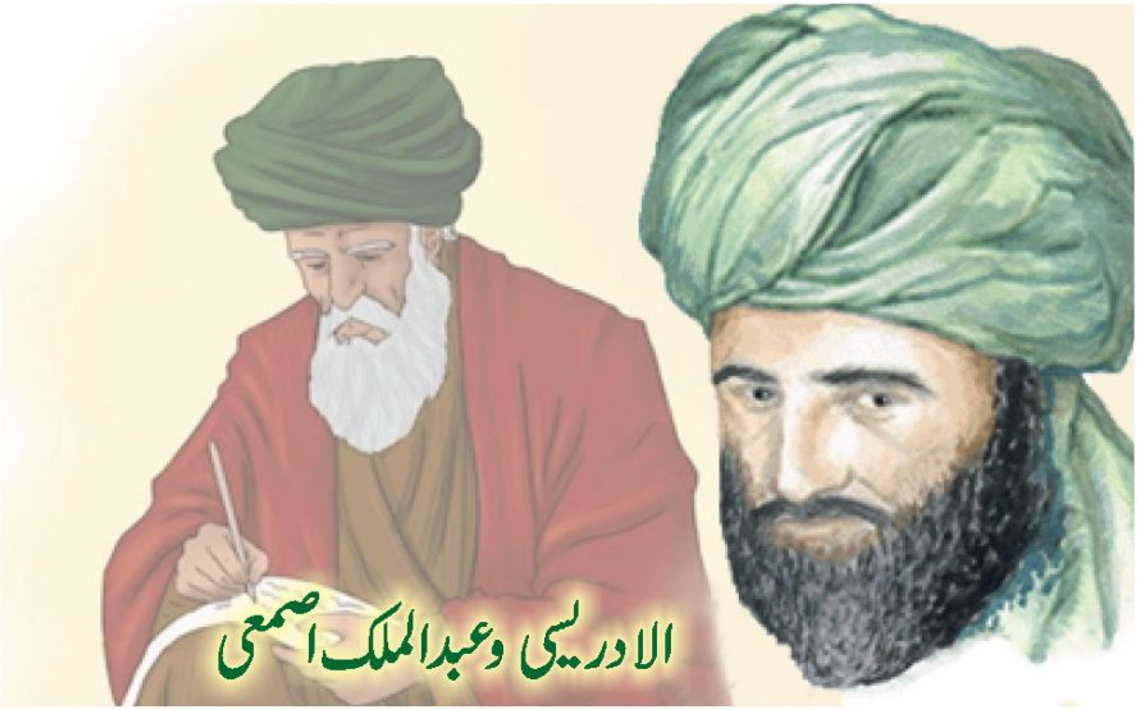

ادریسی (1099-1166)

ابوعبداللہ محمد ابن محمد ابن عبداللہ ابن ادریس القرشی الہاشمی کی پیدائش اسپین میں 1099 میں ہوئی تھی۔ اس کی تعلیم قرطبہ میں ہوئی۔ اُس نے اپنی تعلیم کے سلسلے میں دور دراز کے سفر کیے اور پالیرمو میں بمقام نورمن کورٹ آباد ہوگیا۔ وہاں اُس نے خوب ترقی کی۔ اس کی تاریخ وفات پر تنازعہ ہے کہیں 1166 لکھی ملتی ہے تو کہیں 1180 درج ہے۔

اس کے سوانحی حالات بمشکل دستیاب ہوتے ہیں۔ Pons Boigues کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب مفکرین اس کو نمک حرام اور بے وفا گردانتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک عیسائی بادشاہ کے دربار سے منسلک تھا اور اُس کی شان میں قصیدہ خوانی کرتا تھا اس لیے اہل مشرق اُسے ناپسند کرتے تھے۔ صقلیہ میں اس کے سکونت اختیار کرنے کے سلسلے میں ٹھوس ثبوت آج تک مل نہیں سکے ہیں۔

طب میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ طبی پودوں پر اُس کی تحقیقات ہیں۔ اُس کی تصنیفات میں ایک مشہور کتاب 'الجامع لصفات اشتات النبات' ہے۔ اُس نے اپنے مطالعے کی بنیاد پر تجزیہ پیش کیا کہ اب تک طبی پودوں (Medical Plants) پر جو تحقیقات ہوئی ہیں ان میں اصل کام بہت کم ہے اور جو کام ہوا ہے وہ بھی شروعاتی یونانی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے بذات خود طبی اہمیت کے پودے اور جڑی بوٹیوں کو جمع کرکے ان کا اندراج علم نباتات سے جڑی تصانیف میں کیا ہے۔ نتیجتاً بہت ساری ادویات اور جڑی بوٹیوں کا علم طب اور طبابت کرنے والوں تک پہونچا کر ایک بہت بڑا ادبی کام کیا۔

اُس نے ادویات کے نام بھی 6 زبانوں میں لکھے جن میں لاطینی، فارسی، ہندی، سریانی، عبرانی اور بربر زبانیں شامل ہیں تاکہ ماہرین طب میں آپسی تبادلۂ خیال میں آسانی رہے۔

اِس کے علاوہ جغرافیہ میں بھی اُس نے کمال کے کارنامے انجام دیے جو خاص کر معاشیات، جسمانی عوامل اور ثقافتی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ اس نے بادشاہ وقت (King GeorgeII) کے لیے چاندی کے ایک کرّے کی کلا بنا کر پیش کی۔ "نزهة المشتاق فی اختراق الآفاق" بھی اس کی مشہور کتاب ہے۔ یہ ایک جغرافیائی قاموس (Encyclopedia) ہے جس میں ایشیا، افریقہ، اور دیگر مغربی ممالک کے بارے میں تفصیلات درج ہیں۔ اُس نے ایک دوسری قاموس بھی تیار کی جو پہلی والی سے زیادہ ضخیم ہے۔ "روض الأنس ونزهة النفس" جو (Pleasure of men and Delight of souls) "کتاب الممالك والمسالك" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ علم نباتات اور جغرافیہ کے علاوہ ادریسی نے دافع امراض، علم حیوانیات اور جانوروں کی بیماریوں اور اُن کے علاج پر بھی مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کے اِن تمام مقالات کا ترجمہ انگریزی اور لاطینی زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ الادریسی نے آج سے 6 سو سال قبل دنیا کا پہلا جغرافیائی نقشہ بنایا تھا۔ آج کا موجودہ نقشہ بھی اُسی کی ترمیم شدہ شکل ہے۔

عبدالملک اصمعی (740-828)

عبدالملک اصمعی کی ولادت عراق کے شہر بصرہ میں 740 میں بتائی جاتی ہے۔ آپ کا تعلق سیدنا جعفر صادق کے دار العلوم سے تھا۔ آپ نے جانوروں پر گرانقدر تحقیقات کی۔ آپ جانوروں کے امراض کے ماہر تھے۔ آپ نے بے شمار تحقیقات کر کے ان کو مقالاتی شکل میں قلمبند کر کے ایک گرانقدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ اصمعی کی کچھ مشہور کتابیں ذیل میں دی گئی ہیں۔

(1) **كتاب الخيل**: یہ کتاب گھوڑوں پر لکھی گئی ہے۔ اس میں ان کی خوراک، ان کی عام بیماریاں اور ان کی پرورش وافزائش کے مختلف طریقے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

(2) **كتاب الابل** : یہ کتاب اونٹوں سے متعلق ہے۔ اِس میں اونٹوں کے خواص، اُن کی بیماریاں اور اُن کی غذائیات کے بارے میں مفصل بیان درج ہے۔

(3) **كتاب الوحوش**: یہ کتاب بالکل منفرد کتاب ہے۔ اِس کتاب میں مختلف قسم کے جنگلی جانوروں کے حالات درجہ بہ درجہ بیان کیے گئے ہیں۔

(4) **كتاب الشاة**: اس کتاب میں انواع واقسام کی بھیڑوں کی زندگی کے بارے میں تفصیلات فراہم کرائی گئی ہیں۔

(5) **كتاب خلق الانسان** : اصمعی کی اِس تصنیف کو اُس کی شہرہ آفاق کتاب سمجھا جاتا ہے۔ اس میں انسان کے جسم کے ظاہری اور باطنی اعضا کی بناوٹ اوران کے افعال کی مکمل تشریح بیان کی گئی ہے۔ جدید علم طب کی شروعات ہونے سے قبل یہ کتاب یوروپ، یونان، اورعرب ممالک میں بہت مقبول تھی۔ دیگر زبانوں، لاطینی، عبرانی، سریانی، وغیرہ میں اس کتاب کے تراجم نے اس کی مقبولیت میں ضرور اضافہ کیا ہوگا۔

■

ماخذ: شہرۂ آفاق مسلم سائنس داں اوران کے کارنامے، **مترجم/ناشر:** رضوان لطیف خان، **سنہ اشاعت:** 2021

حسین فاروقی

میعادی بخار

(ٹائی فائڈ)

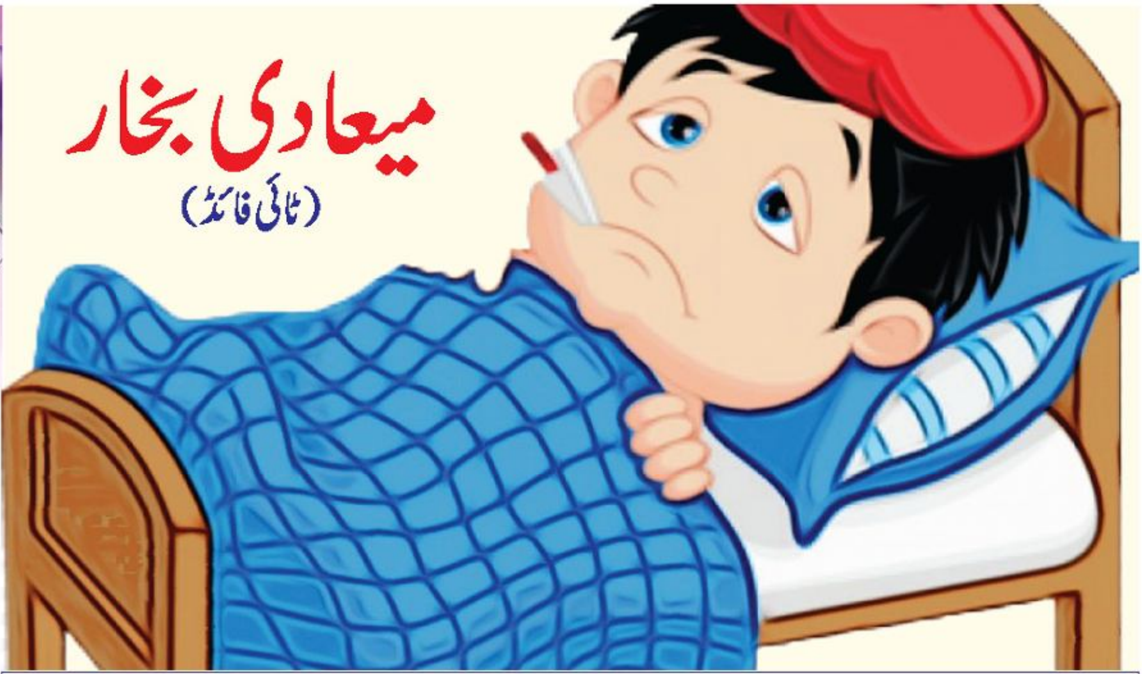

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات۔ اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔

میعادی بخار (جسے دیہات میں 'موتی جھرا' بھی کہتے ہیں) ایک جانی پہچانی بیماری ہے، نوجوان اور بچے عام طور پر اس بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ بڑے بوڑھے میعادی بخار میں نسبتاً کم مبتلا ہوتے ہیں۔ میعادی بخار کو ہم آپ چھوت کی بیماری نہیں سمجھتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ میعادی بخار چھوت کی بیماری ہے اور اس کے ذمے دار سالمونیلا ٹائی فوسس بیکٹیریا ہوتے ہیں۔ یہ بیکٹیریا گرد و پیش کے ماحول سے سانس کے ہمراہ پھیپھڑوں اور گندی غذا اور جراثیم سے آلودہ ہاتھ کے ذریعے انہضام نلی میں پہنچتے ہیں۔ میعادی بخار کے بیکٹیریا سخت جان ہوتے ہیں یہ جسم کے باہر تالاب کے پانی، گندے نالوں کی خشک مٹی، بول و براز میں ہفتوں زندہ رہ سکتے ہیں۔ میعادی بخار وبا کی صورت اس وقت اختیار کرتا ہے جب مریض کے بول و براز دوسرے ذریعوں سے بیماری کے بیکٹیریا پانی کے ذخیرے میں آن ملتے ہیں۔ گھریلو مکھیاں بھی میعادی بخار کے بیکٹیریا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں معاون ہوتی ہیں اور بیماری

پھیلانے کی ذمے دار ہوتی ہیں۔

علامتیں: میعادی بخار کے ابتدا میں علامتیں غیر واضح ہوتی ہیں لیکن یاسیت، تھکن کا احساس، طبیعت کا نڈھال ہونا اور بخار کا چند روز میں ایک سو سے ایک سو چار ڈگری پہنچنا، وہ باتیں ہیں جن کی بنا پر مرض کی پہچان بخوبی کی جاسکتی ہے۔ بخار میں ان علامتوں کے علاوہ منھ کا خشک ہونا، پیاس کا بار بار لگنا، بھوک کم ہونا، اجابت کے انداز میں فرق، قبض یا دست کی شکایت اس بات کی مزید علامت ہوسکتی ہے کہ بیمار ٹائی فائڈ کا شکار ہے۔ میعادی بخار میں سر کا درد بھی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ابتدا میں نسبتاً کم تر درجے کا میٹھا میٹھا اور تیز ہوتا ہے۔ ٹائی فائڈ میں آنتوں اور طحال کے متاثر ہونے سے پیٹ بھی پھول آتا ہے اور شکم نہ کہ باہر نکلا دکھائی دیتا ہے بلکہ ناف کے نیچے داہنے کولھے کے اوپر درد محسوس ہوتا ہے۔

میعادی بخار میں ان علامتوں کے علاوہ زبان کا درمیانی حصہ ملگجا سفید اور کنارے ڈنکوک سوزخ ہوتی ہے۔ ٹائی فائڈ کا مریض جسمانی اعتبار سے نحیف و ناتواں اور شدید ذہنی تھکن کا شکار ہوتا ہے۔ بیماری کے اس دوران اگر مریض کے صدر اور شکم کے بالائی حصے کا بغور معائنہ کیا جائے تو شکم پر گلابی رنگ کے ننھے ننھے دانے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دانے تعداد میں کم ہوتے ہیں اور کبھی کبھی باہم مل کر دھبے کی شکل اختیار کرتے ہیں۔

میعادی بخار میں انہضام نلی میں بیکٹیریا کی موجودگی رنگ لے آتی ہے۔ آنتوں کے پیرس پیچ (Pyers Patch) سوج آتے ہیں۔ یہ سوجن مناسب دوا علاج سے خلیوں کی سطح پر خراش تک محدود رہتی ہے لیکن اس کے برعکس لاپرواہی کرنے پر زخم گہرے ہوجاتے ہیں۔ آنتوں میں سوراخ ہوسکتا ہے۔ میعادی بخار میں آنتوں کے زخم کی موجودگی اجابت میں خون کی آمد کا باعث ہوتی ہے اور کبھی کبھی مریض کی حالت اچانک بگڑنا شروع ہوتی ہے، ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ یہ صورت خطرناک ہوتی ہے اور ڈاکٹر سے رجوع کرنے میں تاخیر سے موت کے امکانات ہوتے ہیں:

بیماری کا پہلا ہفتہ: بیماری کی ابتدا میں بخار کم ہوتا ہے جو آگے چل کر تیز ہوتا ہے۔ مریض کسلمندی کا شکار اور ناواقف بستر پر دراز نظر آتا ہے۔ شکم نرم ہوتا ہے۔

بیماری کا دوسرا ہفتہ: بخار شدید ہوتا ہے اور چند دنوں میں ایک سو دو، ایک سو چار ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔ چہرے پر تھکن کے آثار ہوتے ہیں۔ شکم داہنے کولھے کے اوپر نرم ہوتا ہے۔

صدر پر ننھے ننھے دانے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ دانے تعداد میں کم ہوتے ہیں اور ان کا قطر دو سے پانچ ملی میٹر ہوتا ہے۔

مریض کی ذہنی صلاحیت معمولی پر ہوتی ہے۔ بیمار ذہنی طور پر الجھا ہوا ہذیان کا شکار بھی ہوتا ہے۔

بیماری کا تیسرا ہفتہ: بخار ابتدا میں صبح اور شام میں کم ہوتا ہے۔ بعدازاں دوپہر میں بھی بخار اتر جاتا ہے۔ زبان صاف ہونا شروع ہوتی ہے بھوک لگتی ہے۔ مناسب دوا اور غذا میں استعمال سے مریض رفتہ رفتہ کرکے روبہ صحت ہونے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی اس دوران لاپرواہی رنگ لے آتی ہے اور مرض دوبارہ عود کر آتا ہے۔ مرض کی شدت کے باعث موت کے امکانات ہوتے ہیں۔

تشخیص میں معلون ٹیسٹ: خون کا کلچر ہونا

میعادی بخار، ملیریا اور بہتیری دوسری بیماریوں میں چونکہ ابتدا میں علامتیں یکساں ہوتی ہیں اس لیے مرض کی تشخیص اور علاج کی غرض سے بیماری کے ذمے دار جراثیم کی شناخت مناسب رہتی ہے۔ یہ کام اس وقت ہوتا ہے جب خون کا کلچر کیا جاتا ہے۔ خون کا کلچر جراثیم کی تعداد میں خاطر خواہ اضافے کا باعث ہوتا ہے اور بیکٹیریا کی کثرت

کے سبب ان کی پہچان خوردبین سے ممکن ہوتی ہے۔

میعادی بخار کی تشخیص کی غرض سے جب بھی خون کا کلچر کیا جاتا ہے تو دو یا تین شیشی مریض کا خون لیتے ہیں۔ یہ خون جراثیم سے پاک شیشی میں غذائی مادے گلوکوز براتھ اور ابلا ہوا گوشت ہوتا ہے ڈال دیتے ہیں۔ بیکٹیریا غذائی مادوں کی فراوانی کے سبب اپنی تعداد میں سرعت سے اضافہ کرتے ہیں۔ اب جانچ نلی سے سیال کے نمونے لے کر خوردبین کی مدد سے بیکٹیریا کی شناخت کرتے ہیں۔

فضلے کی جانچ: میعادی بخار کی ابتدا سے فضلے میں چونکہ بیکٹیریا کی آمد رہتی ہے اس لیے بیماری کی تشخیص کی غرض سے فضلے کی خوردبینی جانچ مناسب رہتی ہے۔

خون کا شمار بلڈ کلوئنٹ: بخار کی آمد پر خون کے سفید خلیوں کی تعداد میں اضافہ عام بات ہے۔ میعادی بخار میں اس علامت کی نشاندہی میعادی بخار کے امکانات کو یقین میں بدل دیتی ہے۔

ویڈال ری ایکشن ٹیسٹ: بیماری کے جسم پر حملے کی صورت میں ردعمل کے باعث جسم میں مناعت کا وجود ایک عام بات ہے۔ یہ مناعت چونکہ خون کی اینٹی باڈی کی تشکیل سے ہوتی ہے اور مختلف بیماریوں کی اینٹی باڈی الگ الگ ہوتی ہے اس لیے میعادی بخار کی تشخیص کی غرض سے اینٹی باڈی کی پہچان ہی کارآمد ہوتی ہے۔ میعادی بخار کی اینٹی باڈی کی پہچان ضمنی طریقے سے کی جاتی ہے اور اس غرض سے مریض کا خون قلیل مقدار میں جانچ نلی میں لیتے ہیں۔ جانچ نلی میں رکھی ہوئی خون سے تھوڑی دیر میں پانی کے مثل سیرم علیحدہ ہوتا ہے۔ یہ سیرم دوسری جانچ نلی میں لے کر اس میں تجربہ گاہ میں موجود ٹائی فائڈ کے بیکٹیریا کے اینٹی جن (Anti-gin) ڈالتے ہیں۔ بیمار اگر میعادی بخار میں مبتلا ہوتا ہے تو بیکٹیریا سیال میں جابجا یکجا ہوجاتے ہیں ورنہ یہ سیرم میں پھیل جاتے ہیں اور ان کا مشاہدہ ممکن نہیں ہوتا ہے۔

حفظ ماتقدم: میعادی بخار میں دوسری چھوت کی بیماری کے مثل حفظ ماتقدم کی غرض سے مندرجہ ذیل اقدام ضروری ہے:

1 بیماری سے محفوظ رہنے کی غرض سے ٹیکہ لگوانا چاہیے۔

2 مریض کے استعمال کی چیزوں کو الگ رکھنا چاہیے اور ان کی

صفائی کا معقول انتظام رکھنا چاہیے۔

3 بیمار کے بول و براز کو کھلی جگہوں پر نہیں ڈالنا چاہیے اور اگر ممکن ہو سکے تو اسے جلا دینا چاہیے۔

4 پانی کو ابال کر پینا چاہیے۔

5 بازار کی کھلی چیزوں کے کھانے سے احتراز کرنا چاہیے۔

6 سبزی پھل کو اچھی طرح دھو کر استعمال کرنا چاہیے۔

7 مکھیوں کو کھانے کی چیزوں پر ہرگز نہ بیٹھنے دیں۔

علاج: میعادی بخار کے علاج کی غرض سے عموماً مندرجہ ذیل ادویات کام میں لائی جاتی ہیں۔

1 **کلورم فینی کال:** کلورم فینی کال میعادی بخار کی مخصوص دوا ہے۔ یہ دوا روزانہ پچاس ملی گرام جسم کے وزن کے حساب سے جملہ حاصل ہونے والی مقدار کو تقسیم کر کے آٹھ گھنٹے کے وقفے سے براہ دہن استعمال کرائی جاتی ہے۔ کلورم فینی کال سوڈیم سلی کیٹ کے انجکشن بھی اندرون عضلات اور اندرون ورید تجویز کیے جاتے ہیں۔ کلورم فینی کال کے جسم پر کبھی کبھی خراب اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں اور خون کے دباؤ میں کمی سفید اور سرخ ذرات کے متاثر ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ کلورم فینی کال میعادی بخار کے باعث ہونے والی معدی و امعائی تکالیف میں کارگر نہیں ہوتی ہے۔ یہ دوا مرض کے دوبارہ عود کرنے پر بھی موثر نہیں ہوتی ہے۔

2 **ایمپی سیلین:** یہ دوا ان مریضوں کو استعمال کرائی جاتی ہے جن کو کلورم فینی کال سے آرام نہیں ہوتا۔ ایمپی سیلین سو ملی گرام فی کلو گرام جسم کے وزن کے حساب سے براہِ دہن یا انجکشن بھی تجویز کی جاتی ہے۔ یہ دوا زود اثر نہیں ہوتی ہے۔ ایمپی سیلین کے استعمال سے اجابت میں بیکٹیریا کی آمد ختم ہوتی ہے۔ ایمپی سیلین کے جسم پر مضر اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں اور جلدی ردعمل ہوتا ہے۔

3 **ٹرائی میتھوپرین:** سلفا میتھا کسازول: یہ ادویات کلورم فینی کال اور ایمپی سیلین کے مقابلے میں کم کارگر ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ ارزاں ہوتی ہیں اس لیے طبیب حضرات ترقی پذیر ممالک میں ان کا استعمال کرتے ہیں۔ ان ادویات کے برابر استعمال سے ہڈیوں کے مغز پر خراب اثر پڑتا ہے۔

تیمارداری: میعادی بخار میں دوا علاج کے علاوہ مریض کی بحالی صحت کے لیے مناسب دیکھ ریکھ بہت اہمیت رکھتی ہے۔ تیماردار کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے بیمار کی ایک ایک ضرورت کی تکمیل کرنی پڑتی ہے اور ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ مریض اپنے تئیں ذہنی اور جسمانی آسائش کا احساس کر سکے۔ میعادی بخار میں تیماردار کے سامنے کبھی کبھی یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ مریض اجابت نہ ہونے اور قبض کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں مناسب ہوتا ہے کہ تیماردار مریض کو ملین ادویات فراہم کرے اور اجابت کا اس طرح انتظام کرے کہ مریض جسمانی طور پر تھکنے نہ پائے۔ ٹائی فائڈ میں قبض کے علاوہ سر کے درد کو رفع کرنے والی دوا اسپرین سے احتراز کرنا بہتر رہتا ہے۔ اسپرین کمزور آنتوں پر خراب اثر کرتی ہے اور خون جاری ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔

میعادی بخار کے علاج میں چونکہ مناسب غذا بھی بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔ اس لیے بیمار کی حالت بہتر ہونے پر اسے مناسب غذائی مادے فراہم کرنے چاہئیں۔ میعادی بخار کے مریض کی غذا کم فضلہ پیدا کرنے والی ہونی چاہیے اور اس میں پروٹین کی مقدار بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ ثقیل غذا بیمار کے لیے مناسب نہیں رہتی ہے۔ بیماری کے دوران مریض کو ضرورت کے مطابق پلانا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ ■

ماخذ: تیمارداری، **مصنف:** حسین فاروقی، **چوتھی طباعت:** 2021
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تذکیر و تانیث

اردو میں تذکیر و تانیث کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ اس کے حوالے سے جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں صفیر بلگرامی کی خلاصہ فیض صفیر یا رسالہ تذکیر و تانیث (مرتبہ : سید عنایت احمد بگرامی)، جلیل احسن جلیل مانک پوری کی قواعد تذکیر و تانیث، منشی غلام حسین آفاق بناری کی معین الادب معروف بہ معین الشعرا کے علاوہ حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی (پ 1834 :، و20 :اکتوبر 1909) کی کتاب رسالہ تذکیر و تانیث مشہور بہ مفید الشعرا قابل ذکر ہے۔ سید ضامن علی جلال کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ ان کا خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ ان کے چار دواوین کے علاوہ سرمایہ زبان اردو، منتخب القواعد، دستور الفصحاء اہم ہیں۔ ایک اچھے شاعر کی حیثیت سے بھی ان کی شناخت ہے۔ رسالہ تذکیر و تانیث طلبا اور اساتذہ دونوں کے لیے بہت مفید کتاب ہے۔

فصل اوّل: ان اسما کے تذکیر و تانیث کے بیان میں جن کے آخر میں الف ہے

اغوا، افشا، افترا، مدعا، معمّا، پا، دریا، مینا، سراپا، دلاسا، بادیا، سودا، صحرا، طوبا، ثریا، تماشا، دعویٰ، شکویٰ، بلویٰ، من سلویٰ، حلوا، مداوا، ماوا، احیا، اخفا، اجرا، استقرا، استہزاد، بتاسا، پاراوتارا، پیسا، لوٹا، چھلکا، لٹکا، تنکا، آٹا، بیڑا، ماتھا، کوٹھا، میلا، گنڈا، کپڑا، چھاپا، باجا، راجا، کھاجا، مالا، پالا، چالا، جھالا، چھالا، گالا، آلا، سایا وغیرہ سب مذکر آتے ہیں۔ بہ استثنائے لفظ آسیا، جا، پروا، شہنا، قرنا، ابتدا، انتہا، اشتہا، اقتدا، اعتنا، اکتفا، التجا، امثلا، کیمیا، مرحبا (کلمۂ تحسین)، ہیجا (جنگ) یغما (غارت)، صلِّ علیٰ، استدعا، استغنا، انشا، ایذا، صہبا، سیما (پیشانی)، دنیا، عقبیٰ، حمیٰ، تمنا، کربلا، واویلا، چون و چرا، رعایا، برایا، قلیا، مینا، شاما، کوکلا، گنگا، جمنی، گھاگھرا، چنیا (غلہ معروف)، ٹھالنکا، بچھوا، پُروا، بھاکھا (زبان بھاکا)، پوجا، بیجا، آلا، ستیلا، ماتا اور بعض حروف تہجی مانند با، تا، ثا، حا، خا، را، زا، طا، ظا، فا، ہا، یا کہ یہ موٴنث بولے جاتے ہیں اور املا مختلف فیہ ہے یعنی مذکر و موٴنث دونوں طرح بولا جاتا ہے لیکن مذکر بیشتر اور موٴنث کمتر جیسا کہ رشک مغفور موٴنث فرماتے ہیں۔

نامۂ جاناں ہے کیا لکھا مری تقدیر کا
خط کی انشا اور ہے لکھنے کی املا اور ہے

اِلا موٴلف اس کی تذکیر کا ہی قائل ہے اور لفظ مالا کی بھی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے۔ بعضے مونث بولتے ہیں اور بعضے مذکر لیکن بقید نظم فصحائے لکھنؤ کے کلام میں مذکر ہی پایا جاتا ہے۔ شیخ ناسخ۔

تیرا مالا موتیوں کا قتل کرتا ہے مجھے
اے پری مالا سروہی کا یہ مالا ہوگیا

رشک مغفور۔

اے شہادت میں نہیں طالب جڑاؤ ہار کا
چاہیے زیور میں مالا تیغ جوہر دار کا

بحر مرحوم۔

ہر بار شبہ ہے ترے دانتوں کے عکس پر
مالا گلے کا ٹوٹ کے موتی بکھر گئے

برق مرحوم۔

بنے ہیں میرے لیے موتیوں کے مالے سانپ

تنبیہ: فصحائے دہلی مالا کو فقط مؤنث بولتے ہیں۔ ان کے استعمال میں مذکر نہیں ہے۔

م: ان اسما کی تذکیر و تانیث کے بیان میں جن کے آخر میں الف ہے اور سہ حرفی ہیں

ادا، بقا، فنا، بلا، ملا، جلا، دلا، دغا، صدا، قضا، جفا، دوا، دعا، صبا، حنا، عنا، قبا، سزا، جزا، ریا، جٹا (ہندی)، گیا (معبد ہنود)، گھٹا، کتھا، سبھا (انجمن)، گھیا (قسم از ترکاری) وغیرہ سب مونث آتے ہیں۔ بہ استثنائے لفظ خدا سہا (ستارۂ معروف)، عنا (رنج)، غنا، زنا، شتا (موسم سرما)، ربا، ورا (جرس)، ابا (انکار)، عصا، طلا، سما، ہما، عظا، پتا، پٹا (ہنڈی)، روا، لوا، گلا، جتھا، توا، دوا، تھوا، جُوا، سوا مسا، پیا، نیا، بھلا، برا، پرا، کھرا، چڑا، چھڑا (زیور زنان)، کڑا، گڑھا، سرا، دیا، تیا، ڈھیا، پیا، منڈھا کہ یہ مذکر بولے جاتے ہیں اور فضا بہار و کیفیت کے معنی پر مونث ہے اور میدان کے معنی پر مؤلف کے عندیہ میں مذکر ہے۔ لمؤلفہ

جب تن پہ کوئی زخم لگا بولے شاہِ دیں
شکرِ خدا کو اور فضائے دہن ملا

اور نوا بھی آواز کے معنی پر مؤنث ہے اور سامان کے معنی پر مؤلف کے عندیہ میں مذکر اور خلا بھی مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ شیخ ناسخ و مرزا برق مرحوم فرماتے ہیں۔ ناسخ۔

ہے یوں ہی ترک ہوا ہم کو اگر اے فلسفی
ثابت اپنے عالم دل میں خلا ہو جائے گا

برق مرحوم۔

سمائی دل تنگ کی دیکھیے
کہ عالم میں ثابت خطا ہو گیا

اور رشک مغفور مؤنث کہتے ہیں۔

خلا ٹھہری محال عقل اگر تو کیا سبب اس کا
دل جاناں ہوائے صحبت عاشق سے خالی ہے

لیکن حق یہ ہے کہ اگرچہ تذکیر خلا کی خلاف قیاس ہے الا بیشتر فصحا کی زبان پر مذکر ہے اور آب و غذا، آب و ہوا بہ رعایت تانیث جزو دوم کے مونث بولے جاتے ہیں اور نشو و نما مختلف فیہ ہے۔ ناسخ مغفور مذکر فرماتے ہیں۔

خط کو روئے یار پر نشو و نما ہوتا نہیں
سبزۂ بیگانہ گل سے آشنا ہوتا نہیں

اور خواجہ وزیر مرحوم و بحر مرحوم مؤنث کہتے ہیں۔ وزیر۔

آنسو بہا تو رشتہ بپا مرغ دل ہوا
دانہ نے کی جو نشو و نما دام ہو گیا

بحر مرحوم۔

گل کھلاتی ہے عجب نشو و نما ساون کی

اور مؤلف نے بھی مونث کہا ہے۔

طول عمل سے ہوتی ہے نشو و نما کسے
چڑھتی نہیں منڈھے جو کبھی یہ وہ بیل ہے

لیکن تحقیق مقام یہ ہے کہ نشو و نما مؤنث ہے اور تذکیر اس کی خلاف قیاس ہے اور لفظ خوں بہا اور قبلہ نما بھی خلاف قیاس مذکر بولے جاتے ہیں، ان کی تذکیر میں اتفاق جمہور فصحا ہے۔ کوئی مؤنث نہیں بولتا۔

■

ماخذ: رسالہ تذکیر و تانیث یعنی مشہور بہ مفید الشعراء، **مصنف:** حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی، **ناشر:** راشد کمپنی دیوبند، یوپی

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تا کہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کر سکیں۔ (ادارہ)

مدت سے خواب میں بھی نہیں نیند کا خیال
حیرت میں ہوں یہ کس کا مجھے انتظار ہے

شیخ ظہور الدین حاتم

آنکھوں میں جو بھر لوگے تو کانٹوں سے چبھیں گے
یہ خواب تو پلکوں پہ سجانے کے لیے ہیں

جاں نثار اختر

زندگی چھین لے بخشی ہوئی دولت اپنی
تو نے خوابوں کے سوا مجھ کو دیا بھی کیا ہے

اختر سعید خان

زندگی خواب دیکھتی ہے مگر
زندگی زندگی ہے خواب نہیں

شبنم رومانی

خواب کا رشتہ حقیقت سے نہ جوڑا جائے
آئینہ ہے اسے پتھر سے نہ توڑا جائے

ملک زادہ منظور احمد

میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے
ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا

احمد فراز

ہمارے خواب چوری ہو گئے ہیں
ہمیں راتوں کو نیند آتی نہیں ہے

بخش لائلپوری

یہی ہے زندگی کچھ خواب چند امیدیں
انہی کھلونوں سے تم بھی بہل سکو تو چلو

ندا فاضلی

اٹھو یہ منظر شب تاب دیکھنے کے لیے
کہ نیند شرط نہیں خواب دیکھنے کے لیے

عرفان صدیقی

بڑی آرزو تھی ہم کو نئے خواب دیکھنے کی
سو اب اپنی زندگی میں نئے خواب بھر رہے ہیں

عبید اللہ علیم

جس طرح خواب مرے ہو گئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی

پروین شاکر

نیند کو لوگ موت کہتے ہیں
خواب کا نام زندگی بھی ہے

احسن یوسف زئی

بشکریہ: ریختہ ڈاٹ او آر جی

سید محتسب خضر قادری، درجہ ہفتم، برہانی نیشنل اردو پرائمری اسکول، اورنگ آباد، مہاراشٹر

تحمید منقاد، درجہ ششم، سینٹ زیورس اسکول انسٹی ٹیوشن، کولکاتا، مغربی بنگال

شفا بنت نصیر رمضان، درجہ پنجم، اسلامیہ سینئر سیکنڈری اسکول، برانچ 2، مالیر کوٹلہ، پنجاب

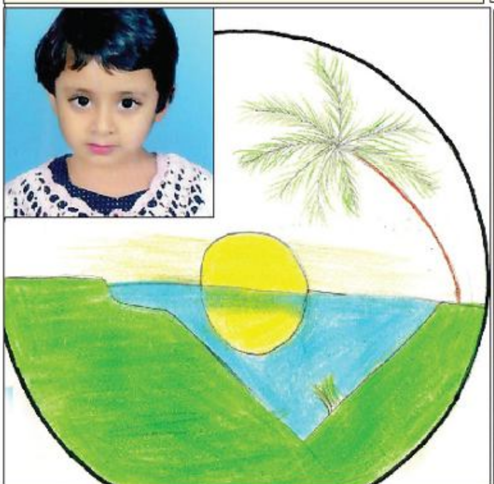

تنزیلہ ترنم، سلی گوری، مغربی بنگال

فائزہ فرید، درجہ اوّل، گرو یگ اسکول، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

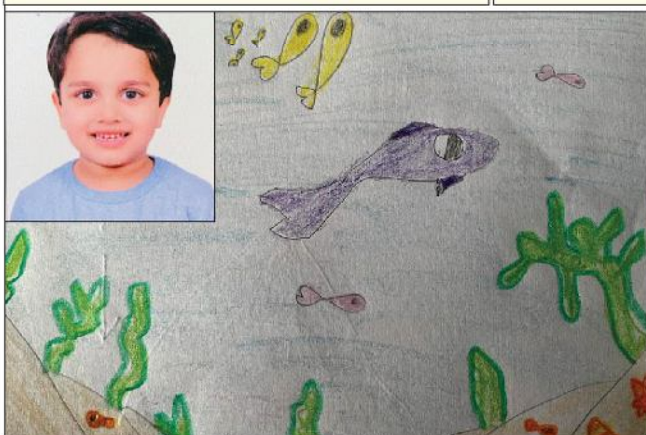

محمد ذوہان، درجہ دوم، اسکول گیان شری، نوئیڈا، سیکٹر 127، یوپی

ننھے منے بچوں کے ہاتھوں میں 'بچوں کی دنیا'

(فاطمہ اردو پرائمری اسکول، کراڑپورہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر)

बच्चों की दुनिया मासिक, जनवरी 2022, वर्ष 10, अंक 01
BACHON KI DUNIYA Monthly, January 2022 Vol. 01, Issue: 10
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/12/2021
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

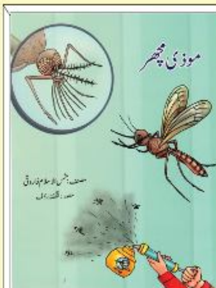

صفحات: 16، قیمت: 20 روپے

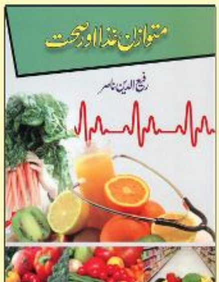

صفحات: 194، قیمت: 115 روپے

صفحات: 16، قیمت: 20 روپے

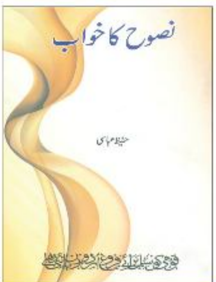

صفحات: 24، قیمت: 14 روپے

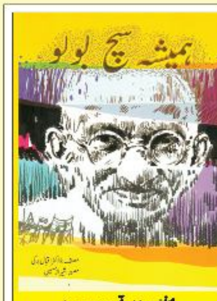

صفحات: 16، قیمت: 20 روپے

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

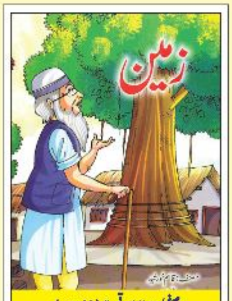

صفحات: 16، قیمت: 25 روپے

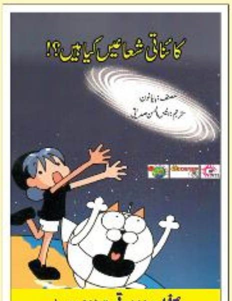

صفحات: 16، قیمت: 20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6